عطار ہو ،رومی ہو، رازی ہو، غزالی ہو
کچھ ہاتھ نہیں آتا بے آہِ سحر گاہی !!

اِدارۂ اشرفیہ عزیزیہ کا ترجمان

ماہنامہ غزالی

شوال ۱۴۲۹ھ/اکتوبر ۲۰۰۸ء

RegNo.P476

جلد: ھفتم

شمارہ: 2

فہرست

فی شمارہ: 15/- روپے

سالانہ بدل اشتراک: 180/- روپے

ملنے کا پتہ: پوسٹ آفس بکس نمبر 1015، یونیورسٹی کیمپس، پشاور۔

ای۔میل: <<< mahanama_ghazali@yahoo.com

saqipak99@gmail.com

physiologist72@yahoo.com

ویب سائٹ: www.iaa.org.pk

نماز (قسط۔۱۳)

(حضرت مولانا اشرف صاحب سلیمانیؒ)

نماز میں حضور و احسان کے حصول کی ترکیب:

اللہ تبارک وتعالیٰ کی حکمت اس مشق وکوشش کے نتیجے پر عادتاً ہر شخص کو اس کے ظرف واستعداد و صلاحیت کے مناسب 'حضور' عطا فرمادیتی ہے۔ حضرت والا قدس سرہٗ تحریر فرماتے ہیں:

''نماز میں استحضار اور خشوع وخضوع کے حصول کیلئے کوشش چاہیئے۔ اور اس کے لئے دو باتیں ضروری ہیں۔ ایک یہ کہ معانی ادعیہ وسورۃِ قرآنی جو پڑھے اُن پر نظر رہے۔ اور ہر لفظ ارادہ سے نکلے۔ دوسری بات یہ ہے کہ بتوجہ کثرت ذکر کا اہتمام رہے۔ اس سے انشاء اللہ مطلوب حاصل ہوگا''۔

ایک سالک کو ارقام فرماتے ہیں:

''ہر بات میں اور ہر حال میں رضائے مولا پر نظر رہے۔ اور نماز کی تحسین اور آراستگی کا پورا خیال رہے..... نماز کی تحسین کے معنیٰ یہ ہیں۔ کہ نماز کے سارے آداب مستحسن طریقے سے ادا ہوں۔ اور سنن کا لحاظ رکھا جائے۔ ارکان کے ادا کرنے میں تعدیل ہو۔ رکوع وسجود کی تسبیحات تین سے زیادہ بڑھائی جائیں۔ مسنون وقت کا خیال رکھا جائے۔ نماز میں اعتدال اور حضورِ قلب کی کوشش ہو۔

ہمارے حضرت (مولانا تھانویؒ) کی تحقیق یہ ہے کہ مبتدی نماز میں یکسوئی کیلئے لفظ کی طرف اور متوسط معنیٰ کی طرف اور منتہی ذات بحث کی طرف توجہ کرے''۔

ایک مکتوب میں ارشاد فرماتے ہیں:

''(بندہ کا نماز میں) یہ تصور (ہونا چاہیئے) کہ بندہ اپنے آقائے حقیقی کے سامنے کھڑا ہے اور وہ اسکو دیکھ رہا ہے۔ اس کا اثر یہ ہو کہ قلب میں سکون اور جسم میں پستی اور تواضع کی شان پیدا ہو''۔

ایک طالب کو لکھتے ہیں:

''قلب کی (غیر میں) مشغولی کے سبب (نماز میں) یہ سہو واقع ہوتا ہے۔ نماز میں صرف نماز کے ارکان اور قرأت اور ادعیہ کی طرف توجہ رکھی جائے۔ اور قرآن پاک کی تلاوت روزانہ کا معمول کیجئے۔ تا کہ

قرأت صحیح ہو"۔

ایک سالک کو تحریر فرمایا:

"حضورِ قلب کا حصول ذکر و شغل کی ترقی کے ساتھ ہوتا جائے گا۔ انشاء اللہ، قلب کو افکار سے خالی رکھنا چاہیئے۔ تا کہ اس میں نورِ الٰہی بھرے"۔ (تذکرہ صفحہ ۴۷۳)

ایک مسترشد خاص نے استفسار فرمایا:

"اس کی کیا وجہ ہے کہ اللہ و رسول ﷺ کی باتیں کرنے اور سننے میں جو لطف آتا ہے وہ نماز اور دیگر اعمال میں باقی نہیں رہتا"۔

حضرت الشیخ نور اللہ مرقدہ نے کیا حکیمانہ جواب مرحمت فرمایا:

"جی ہاں! اس گفتگو میں تھوڑا سا حظِ نفس بھی شامل ہوتا ہے۔ ایک کہتا ہے دوسرا سنتا ہے اور نماز و عبادت میں یہ صورت نہیں ہوتی مگر اہل دل جن کو نماز گویا عبد و معبود میں مکالمہ محسوس ہوتا ہے"۔

حضور انور ﷺ فرماتے ہیں:

"و جعلت قرة عینی فی الصلوٰة" میری آنکھ کی ٹھنڈک نماز ہے ۔(تذکرہ صفحہ ۴۳۲)

انہیں کو ایک دوسرے خط میں لکھتے ہیں:

"(تہجد کی نماز میں) دل میں تصور کیجئے کہ اللہ تعالیٰ سے باتیں ہو رہی ہیں"۔ (تذکرہ صفحہ ۳۹۷)

ایک خادم کو ارقام فرماتے ہیں:

"اس (اللہ تعالیٰ کو حاضر ناظر جاننے کے) مراقبہ سے مقصود یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حاضر و ناظر ہونے کا جو ایمان ہے وہ عملاً نمایاں ہو۔ اب آپ آگے بڑھیں۔ اب یہ کوشش کیجئے کہ نماز میں یہ خیال قائم ہو کہ آپ خدا تعالیٰ کی بارگاہ میں حاضر ہیں اور وہ آپ کو دیکھ رہے ہیں۔ اس کیلئے ضروری ہے کہ نیت کرتے وقت دل میں یہ توجہ کیجئے کہ بندہ اب بارگاہِ الٰہی میں حاضر ہے۔ قرأت قرآن اور تسبیح رکوع و سجود میں ایک ایک لفظ پر ارادہ ہو اور سمجھ کر لفظ ادا ہو"۔

طلب حضوری اور تحسینِ صلوٰۃ کی ان ہدایات پر جب طالب کاربند ہوتا ہے تو بتوفیقہ تعالیٰ ہر ایک اپنے استعداد اور محنت کے بقدر حقیقت صلوٰۃ اور اسکے آدابِ باطنی سے نواز دیا جاتا ہے۔ جب بندہ پر اللہ تعالیٰ

کے حاضر و ناظر ہونے کا حال چھاتا ہے تو نماز کی ہر حرکت کیفیتِ احسانی سے پُر نور ہو جاتی ہے۔ اعمالِ صلوٰۃ اعتدال پر آجاتے ہیں۔ خشوع و خضوع تذلل و ابتہال کی کیفیت خود بخود پیدا ہونے لگتی ہے۔ تکمیل نماز کا داعیہ پیدا ہو جاتا ہے اور نمازی ایک ایک رکن توجہ و دھیان سے سنوار کر ادا کرتا ہے۔ الفاظ کی ادائیگی عادتاً نہیں ہوتی بلکہ ہر لفظ معنی کو سمجھ کر ارادہ سے کرنے کا اہتمام ہونے لگتا ہے۔

رغبت و رہبت، تبتل و مناجاتِ رب کی کیفیت نصیب ہو جاتی ہے اور نمازی 'فراغ قلبی' کے اس مقام پر فائز ہو جاتا ہے جہاں 'مستور ازل' کی جلوہ سامانیوں میں کوئی حائل نہیں ہو پاتا۔ عبدیت و عبودیت 'مکالمہ و مناجاتِ' ربّانی کے اس مقام کو پالیتی ہے۔ جو 'مومن کا معراج' اور اس عالم میں قرب حق کی غایت قصویٰ ہے۔ نماز کی حلاوت راحتِ جان اور سکونِ دل اور آنکھ کی ٹھنڈک بن جاتی ہے۔

سیدی قدس سرہٗ فرماتے تھے:

''سجدہ میں ایسا لطف و مزہ آتا ہے۔ گویا ماں کی گود میں سر رکھ دیا ہے''۔

حضرت ارشاد فرماتے ہیں:

؎ سجدہ میں جہاں سر ہے گویا وہ تیرا در ہے کیا کیا نہ کہا تجھ سے پایا جو سراپا گوش
حاصل ہے تصور میں کیفیتِ معراج کیا کیا نہ مزا پایا ، پایا جو ہم آغوش

؎ خوش نمی آید سجودِ بے حضور فی صلوۃٍ خاشعونم آرزوست

ترجمہ: مجھے دھیان اور حضور کے بغیر سجدہ اچھا نہیں لگتا۔ میری آرزو یہ ہے کہ نماز خشوع والی ہو۔

نماز میں تفاوتِ حضور:

اقامتِ نماز کا موضوع یادِ الٰہی ہے۔ چنانچہ ارشاد باری ہے

اَقِمِ الصَّلٰوۃَ لِذِکْرِیْ اور قائم رکھ نماز کو واسطے میری یاد کے (طہ۔۱)

اسلئے نماز کے جزو کل صورت و حقیقت میں اشتغال 'ذکر' ہی ہوگا۔ اس لئے جو شخص متعلقات

نمازاوراس کے ما لہ و ما علیہ کی طرف متوجہ رہے گا۔یہی سمجھا جائے گا کہ اسے نماز میں حضور حاصل ہے۔مثلاً مبتدی اگر الفاظ وارکان کی طرف متوجہ رہتا ہےاورانکے سنوارنے کی کوشش کرتا ہے تو اسے نماز میں شاغل سمجھا جائے گا اور کہا جائے گا کہ اسے اپنی استعداد کے بقدر نماز میں حضوری میسر ہے۔اسی طرح متوسط کا 'حضورِ صلوۃ' ارکان کے اعتدال کے ساتھ معنیٰ کا دھیان ہے۔اور منتہی کیلئے حضور ذات بحث اور صفات باری تعالیٰ کے استحضار قوی کے ساتھ ارکان کی تعدیل و تحسین ہے۔

حضرت والا رحمہ اللہ تعالیٰ ارقام فرماتے ہیں:

"ہمارے حضرت (مولانا تھانویؒ) کی تحقیق یہ ہے کہ مبتدی نماز میں یکسوئی کیلئے لفظ کی طرف،متوسط معنیٰ کی طرف اور منتہی ذات بحث کی طرف توجہ کرے"۔

احادیث سے بھی یہ متبادر ہوتا ہے کہ نماز کہ طرف توجہ بھی کفایت کرتی ہے۔چنانچہ حدیث کے لفظ ہیں:

ما من مسلم یتوضاء فیحسن وضوئه ثم یقوم فیصلی رکعتین یقبل علیها بقلبه و وجهه الا وجبت له الجنة

ترجمہ: جو مسلمان اچھا وضو کرے پھر اٹھے اور دو رکعت نماز اس طرح پڑھے کہ ان (دو رکعتوں یعنی نماز) کی طرف اپنے دل ودھیان سے متوجہ ہو تو اس کیلئے جنت واجب ہو جاتی ہے۔

(کنز الاعمال بحوالہ مسلم وابوداؤد جلد:۴ صفحہ ٦٦ بروایت عقبہ ابن عامر)

یقبل علیها سے یہی مستفاد ہوتا ہے کہ اگر کوئی شخص نماز کے **ما له و ما علیه** میں مشغول و متوجہ ہوگا تو یہ بھی اس کیلئے کافی ہوگا کہ یہ حضور حق کا ہی بدل سمجھا جائیگا۔گو جیسا کہ دوسری نصوص سے معلوم ہوتا ہے کہ اعلیٰ درجہ نماز میں دھیان رب ہی ہے۔

نماز میں استحضار عطیه الٰهی هے جسکی طلب و کوشش ضروری هے حصول و یافت لازم نهیں:

یہاں یہ بات ذہن نشین رکھنی چاہیئے کہ 'کیفیتِ حضوری' دیگر احوال و کیفیات کی طرح غیر

اختیاری اور محض عطیہ الٰہی ہے۔اس کی طلب وکوشش کا تو انسان مکلّف ہے۔لیکن اسکے حصول ویافت کا انسان مکلّف نہیں۔حضرت والا رحمہ اللہ تعالیٰ کیا پُر حکمت الفاظ میں اس کی تشریح فرماتے ہیں:

''نماز میں دل لگنا یا نہ لگنا اپنے اختیار کی بات نہیں اور جو چیز بندہ کہ اختیاری نہیں وہ اس کا مامور بھی نہیں۔بندہ پر اپنی طرف سے دل لگانے کی کوشش ہے، جو اختیاری ہے۔جس طرح مریض کا کام دوا کا پینا ہے، جو اس کے اختیار میں ہے۔شفا کا حصول نہیں، جو اس کے اختیار سے باہر ہے۔نماز میں استحضار اور خشوع وخضوع کے حصول کیلئے کوشش چاہئے اور اس کیلئے دو باتیں ضروری ہیں۔ایک یہ کہ معانیِ ادعیہ وسوَرِ قرآنی جو پڑھے ان پر نظر رہے۔اس سے انشاءاللہ مطلوب حاصل ہوگا۔یعنی یہ نسخہ ہے۔جس سے شفاء کی امید ہے مگر شفاء کا ہو جانا یہ اللہ تعالیٰ کے اختیار اور بخشش کی بات ہے۔مگر جس طرح عادت الٰہی یہ جاری ہے کہ عموماً صحیح نسخہ کے استعمال کے بعد شفاء عنایت فرماتے ہیں ایسے ہی اس طریقہ سے نماز میں استحضار وخضوع بفضلہٖ حاصل ہو جاتا ہے، اور اگر کوشش کے بعد بھی حاصل نہ ہو تو بندہ کے لئے یہ محرومی انشاءاللہ مضر نہیں طمانیت رکھیں۔لَا یُکَلِّفُ اللّٰہُ نَفْساً اِلَّا وُسْعَھَا''۔

(تذکرہ صفحہ ۳۹۴)

بہر حال عادت الٰہی یہی ہے کہ طالب کو محروم نہیں فرماتے اور کوشش کرنے والے کو نواز ہی دیا کرتے ہیں۔

؎ تو مگو مارا بآں شاہ بار نیست — با کریماں کارہا دشوار نیست
گر نشینی بر سرِ کوئے کسے — عاقبت بینی تو ہم روئے کسے

ترجمہ: تو یہ نہ کہہ کہ میری اس شاہ تک رسائی نہیں۔وہ ایسا کریم ہے کہ اس کے لئے رسائی کرانا کوئی مشکل کام نہیں۔اگر تو کسی کی گلی کے سرے پر بیٹھے تو آخر کار کسی کا چہرہ دیکھ ہی لے گا۔

طلب وکوشش شرط ہے۔عطائے رب بہانہ چاہتی ہے۔جو سعی واہتمام کرے گا پا ہی لے گا۔تاہم اگر حکمتِ رحمانی میں یہ بات مقدر نہ ہو۔تو طالب کو دلگیر نہیں ہونا چاہئے۔کہ ایسی حالت میں مجاہدہ کا مزید ثواب ہے۔ (جاری ہے)

بیان (آخری قسط)

(ڈاکٹر فدا محمد صاحب مدظلہٗ، بمقام کبیر میڈیکل کالج، پشاور)

آپ ﷺ کی جدوجہد:

اسلامی تعلیمات حق، سچ، انصاف، عاجزی، ہمدردی خیر خواہی، دوسروں کو فائدہ اور سُکھ پہنچانا اور اس کیلئے اپنے آپ کو تکلیف اور مشقت میں رکھنا اور اس ترتیب کو لے کر آگے بڑھنا واقعی بہت مشکل ہے اس لئے انبیاء علیھم السلام کو سخت جدوجہد کرنا پڑتی ہے۔ اس کے لئے نہ رات کو آرام نہ دن کو چین بلکہ رات کو جدوجہد اور دن کو جدوجہد۔ اتنی کوشش کرنی پڑتی ہے کہ اتنی کوشش دنیا والا آدمی دنیا کے کاموں کے لئے نہیں کرتا۔ نبوت ملنے کے بعد دنیا سے پردہ فرمانے تک آپ ﷺ کی زندگی مسلسل جدوجہد ہے۔ جس میں کھانے کا وقت نہیں ہے آرام کا وقت نہیں ہے۔ آپ ﷺ کی زوجہ مطہرہ فرماتی ہیں کہ خندق کی لڑائی میں میں آپ ﷺ کے ساتھ تھی اور آپ ﷺ آکر لیٹتے تھے یہاں تک کہ اُدھر سے ہنگامے کی آواز آتی تھی کہ مورچے پر حملہ ہو گیا ہے۔ آپ ﷺ ہتھیار نہیں ہٹاتے تھے۔ ہتھیار لگائے ہوئے آپ ﷺ لیٹتے تھے اور جب شور کی آواز آتی تھی آپ ﷺ دوڑ کر جاتے تھے۔ سات دنوں میں آپ ﷺ کو سونے کا وقت نہیں ملا ہے۔ مورچے پر مسلسل کھڑا ہونا پڑا ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو حج کے لئے لے جائے اور مدینہ منورہ کی زیارت کریں تو خندق کا علاقہ دیکھیں۔ خندق تو نہیں خندق کا علاقہ محفوظ ہے اور جس جگہ آپ ﷺ ٹھہرے تھے وہ جگہ مسجد فتح کی شکل میں ابھی بھی محفوظ ہے جس میں آپ ﷺ کا مورچہ تھا۔ اسلام دہشتگردی کا مذہب نہیں ہے۔ ہمارے نزدیک قتل کرنا کشت وخون اہم اور بنیادی بات نہیں ہے اس لئے جہاد کا معنٰی کشت وخون ہے ہی نہیں، جہاد کا معنٰی جدوجہد ہے۔ حق کا بول بالا کرنے کیلئے کوشش کرنا۔ اور جہد کہتے ہیں پوری کوشش اور پوری توانائی کو استعمال میں لانا۔ جہاد کا شعبہ 'قتال' تو انتہائی مجبوری کا درجہ ہے۔ اس لئے سب سے پہلا قتال جو ہوا وہ جنگِ بدر کا ہے۔ کہاں ہوا ہے مدینہ منورہ کے پاس ہوا ہے۔ کفار ۵۰۰ کلومیٹر چل کر آئے ہیں لڑنے کے لئے۔ دوسرا جہاد کہاں پر ہوا ہے احد پر ہوا ہے، ۳میل مدینہ منورہ سے۔ کافر پھر ۵۰۰ کلومیٹر چل کر آیا ہے۔ تیسرا جہاد کہاں پر ہوا ہے خندق کا۔ مدینہ منورہ کے پاس۔ کافر پھر ۵۰۰ کلومیٹر چل کر آیا ہے۔ تو اسلامی تعلیمات تو تواضع، خدمت، ہمدردی، خیر خواہی، امن وامان، دوسروں کہ زندگیوں کو بنانا، سُکھ پہنچانا، اس چیز کیلئے ہیں۔ ہاں اس چیز کو روکنے کیلئے ایک طبقہ ہوتا

ہے۔ جاہلیت کے زمانے میں ایک طبقہ ہوتا ہے سرداروں کا، بادشاہوں کا، جنہوں نے جاہلی نظام چلایا ہوا ہوتا ہے اوراس کے فوائد بھی حاصل کررہے ہوتے ہیں۔ انہوں نے ٹکرانا ہوتا ہے۔ جب انہوں نے ٹکرانا ہوتا ہے تو اہلِ حق کیلئے پھر یہ ہے کہ وہاں کمزوری نہیں دکھانی۔ وہاں کمر باندھ کران کے ساتھ ایسا ٹکرانا ہے کہ ان کو پاش پاش کرنا ہے۔ قرآن پاک کی آیت کہ رہی ہے۔

بَلْ نَقْذِفُ بِا لْحَقِّ عَلَى الْبَاطِلِ فَيَدْمَغُهُ فَإِذَا هُوَا زَاهِقٌ ط　　(سورۃ الانبیاء ۱۸)

ترجمہ: اور ہم حق بات کو باطل بات پر پھینک مارتے ہیں سو وہ (حق) اس (باطل) کا بھیجہ نکال دیتا ہے (یعنی اس کو مغلوب کردیتا ہے)۔ سو وہ (باطل مغلوب ہوکر) دفعۃً جاتا رہتا ہے۔　　(معارف القرآن)

کہ اُٹھاؤ حق کو اور دے مارو باطل کے سر پر کہ اس کی کھوپڑی ٹوٹ پھوٹ جائے اور اسکا دماغ اور بھیجہ ٹکڑے ٹکڑے ہوکر باہر پھیل جائے اور اس کی کوئی حیثیت نہ رہے تا کہ باطل کا خاتمہ ہو اور حق کے لئے پھیلنے کا راستہ ہموار ہو۔ لیکن وہ مجبوری کے درجے میں ہے۔ وہ اس وقت ہوگا جس وقت کہ باطل حق کو، انصاف کو، صلح کو، آشتی کو، امن وامان کو، سچائی کو، خدمتِ خلق کو، ہمدردی کو، خیرخواہی کو روکنا چاہتا ہے۔ لہٰذا اس رکاوٹ کو دور کرنے کیلئے پوری ہمت کے ساتھ کام کرنا پڑے گا۔ تو آپ ﷺ کی جدوجہد جو ہے وہ انفرادی دعوت کی شکل میں ہے، اجتماعی دعوت کی شکل میں ہے اصلاحِ نفس کی شکل میں ہے اور قتال کی شکل میں ہے۔

اب آخری بات نتائج ہیں۔

نتائج:

جدوجہد کے نتائج کیا نکلے۔ نتائج پر آئیں۔ ہمیشہ کیلئے کوئی کوشش جدوجہد شروع ہوا سکے نتائج ایک انفرادی اور ایک اجتماعی ہیں۔ یعنی اکیلے شخص کو کیا ملا اور پورے اجتماع کو پورے ماحول کو پورے معاشرے کو پوری قوم کو پوری عالمِ انسانیت کو کیا ملا۔ ان کو اگر آپ سمیٹیں تو یہ تین عنوانات (headings) کے نیچے آجاتے ہیں۔ ہر تحریک وجدوجہد کے نتیجہ میں انسانوں کو کیا ملنا چاہئے؟ سب سے زیادہ ضروری چیز انسان کیلئے کیا ہے؟ آپ اپنے ذہنوں میں سوچیں اور اپنے جواب کو اپنے پاس رکھیں پھر میں آپ کے سامنے عرض کروں گا۔ انسان کو سب سے زیادہ ضرورت کس چیز کی ہے؟ کوئی کہے گا ہوا کی ہے، کوئی کہے گا پانی کی ہے، کوئی کہے گا روٹی کی ہے۔ انسان کو سب سے زیادہ ضرورت امن وامان کی ہے۔ اگر امن وامان نہ ہو تو کوئی

بھی چیز جگہ پر نہیں رہتی ہے۔ ٹانک اور ڈیرہ اسماعیل خان میں کرفیو (curfew) لگ گیا تھا۔ مجھے ٹیلیفون کیا وہاں کے ساتھیوں نے کہ کھانے پینے کی تکلیف ہو رہی ہے۔ ایک محترمہ نے کہا کہ کسی ڈاکٹر کو ڈیرہ اسماعیل خان میں سوال جواب کرو کہ کرفیو ہے کسی طرح میری بیٹی کو کھانا پہنچا دے، ہاسٹل میں اس کے۔ میں نے کہا فکر نہ کرو میں کسی کے حوالے کرتا ہوں تو کھانا اس کو پہنچا کے آجائیں گے۔ تو سوچیں اگر امن وامان نہ ہو تو باقی کچھ حاصل کرنے کو چھوڑیں اپنی جان بچانا مشکل ہو جاتی ہے۔ لہٰذا انسان کی سب سے زیادہ اہم ضرورت امن و امان ہے۔ اس لئے ہمارے شرعی اُصولوں میں سے ہے کہ امن وامان اگر غیر مسلم حکومت نے بھی قائم کیا ہوا ہو تو اس کے خلاف بھی اس وقت تک جدوجہد نہ کی جائے جب تک کہ اس نظام کے خاتمے پر آپ متبادل نظام نہ دے سکتے ہوں۔ کیونکہ امن وامان انسانوں کی ایک ایسی ضرورت ہے کہ اس کے تحت زندگی کے سارے شعبے کام کر رہے ہوتے ہیں۔ اگر امن وامان نہ ہو تو کوئی کام بھی نہیں کیا جا سکتا۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ ایک ایسا وقت آئے گا کہ ایک عورت ہوگی جو صنعائے یمن سے چلے گی اور ایک دوسرا علاقہ بتایا جیسے کراچی سے گلگت جائے گی۔ کہ فلاں جگہ سے چلے گی، نوجوان ہوگی، خوبصورت ہوگی، زیورات سے لدی ہوگی، اکیلی ہوگی اور سارے راستے میں اس کو کوئی بھی نہیں چھوئے گا۔ ایک صحابی ہیں عدیؓ بن حاتم، حاتم طائی کے بیٹے۔ وہ کہتے ہیں میں آپ ﷺ کے سامنے بیٹھا ہوا تھا اور آپ ﷺ یہ فرما رہے تھے تو میں نے کہا یا اللہ! جس راستے کا آپ ﷺ کہہ رہے ہیں کہ فلاں راستے سے گزرے گی اس راستے پر تو ہمارا قبیلہ ہے بنی طے اور ہمارا قبیلہ ڈاکوؤں کا قبیلہ ہے تو یہ ڈاکو سارے مرجائیں گے کہ عورت گزرے گی اس کو کوئی چھیڑے گا نہیں زیورات نہیں چھینے گا اس کو پریشان نہیں کرے گا۔ خیر میں نے کہا کہ حضور ﷺ فرما رہے ہیں تو بس ٹھیک ہے پھر تو ہوگی یہ بات۔ کہتے ہیں دورِ فاروقی میں اس طرح ہوا کہ واقعی ایک عورت آئی وہ سفر کر کے گزری۔ اس نے بیت اللہ شریف کا طواف کیا اور وہ مکمل امن وامان میں رہی۔ کسی جگہ بھی اس کو کسی نے نقصان نہیں پہنچایا، کوئی چھیڑ چھاڑ نہیں کوئی گزند نہیں پہنچی ہے۔ ایسا امن وامان وجود میں آیا ہے۔

دوسری بات آپ سب سوچیں کہ دوسری بات انسانوں کیلئے کیا ضروری ہوتی ہے امن وامان کے بعد؟ اپنے اپنے ذہن میں سوچیں اور اپنے جواب کو اپنے پاس رکھیں۔ دوسری بات جو انسان کیلئے ضروری ہے وہ قانون کی عمل داری ہے کہ فیصلے میرٹ پر ہوں، قانون کے مطابق ہوں، قانون کی عمل داری ہو، قانون کی

پیروی (follow) ہو، کوئی اُس کے خلاف نہ کرے، جس قوم کے پاس قانون کی پابندی نہیں ہوتی وہ ترقی نہیں کرسکتی ہے۔ قانون کی عملداری کا ایک عجیب واقعہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ایک مقدمہ (case) ہے۔ ان کے قاضی ہیں قاضی شریحؒ۔ بہت نامی گرامی قاضی گزرے ہیں۔ بڑے عالم اور بڑے سمجھدار آدمی تھے۔ حضرت علیؓ کو کسی نے بتایا کہ آپ کی زرہ جو گم ہوگئی تھی وہ فلانے یہودی نے چرائی ہوئی ہے اُس کے پاس ہے۔ اُنھوں نے قاضی شریحؒ کی عدالت میں مقدمہ دائر کردیا کہ اس یہودی نے میری زرہ چرائی ہوئی ہے۔ قاضی نے کہا ٹھیک ہے آپ اپنے گواہ لائیں۔ آپ نے اپنا ایک گواہ اپنے غلام قنبر اور اپنے ایک صاحبزادہ مبارک امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ یا حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو پیش کیا۔ قاضی صاحب نے کہا گواہی کے اُصول ہیں شریعت میں۔ بیٹے کی گواہی باپ کے حق میں نہیں قبول کی جاتی۔ لہٰذا آپ کے گواہ شریعت کے اُصول کے مطابق نہیں۔ اُنھوں نے کہا قاضی صاحب یہ تو سیدا شبابِ **اھل الجنة** ہیں جنت کے نوجوانوں کے سردار ہیں۔ حضورﷺ کے نواسے اور جنت کے نوجوانوں کے سردار ہیں۔ وہ میرے گواہ ہیں۔ انھوں (قاضی صاحب) نے کہا امیر المؤمنین وہ آخرت کیلئے ہے۔ دنیا میں قانون کا ضابطہ یہی ہے۔ اس کے تحت اپنے بیٹے کے علاوہ گواہ پیش کریں۔ تو اس پر انھوں نے کہا بس میرے پاس تو یہی دو گواہ ہیں۔ قاضی نے کہا مقدمہ آپ کا خارج ہوگیا۔ بس جوں عدالت سے باہر نکلے تو باہر یہودی نے کلمہ پڑھا مسلمان ہوا۔ اس نے کہا جس قوم کے امیر المؤمنین اور خلیفۃ المسلمین کے خلاف اس کا قاضی فیصلہ دے رہا ہو اور وہ اس کو تسلیم کررہا ہو تو یہ قوم سوائے حق کے اور کس بات پر ہوسکتی ہے۔ ہمارے ہاں انتظامیہ عدلیہ کے آگے جوابدہ ہے۔ انتظامیہ عدلیہ کو نہیں بلاسکتی کہ میرے پاس آؤ۔ ہاں عدلیہ بلاسکتی ہے کہ آپ صدر ہیں یا وزیراعظم ہیں آپ عدالت میں آئیں جواب دیں۔ اُس کو اختیار شریعت نے دیا ہے اور شریعت نے انتظامیہ کو اختیار نہیں دیا کہ وہ عدلیہ کو بلائے اور کہے کہ میری بات کا جواب دیں۔ اتنی قانون کی عملداری ہوئی ہے کہ خلیفہ کے خلاف عدالت نے فیصلہ دیا ہے اور اس کو کوئی روک نہیں سکا۔

اب تیسری بات کیا ہے ضروری انسانوں کیلئے؟ اس کو آپ اپنے ذہن میں سوچیں اور جواب دیں۔

تیسری بات ہے معاشی آسودگی۔ کہ وہ نظام اس معاشرے کو معاشی لحاظ سے آسودہ کررہا ہو۔ اسلام کے ۱۴۲۹ سالوں میں ۱۳ سال مکہ مکرمہ کے فاقوں کے ہیں اور ۶ سال فتح خیبر تک۔ یہ ۱۳ اور ۶ یہ ۱۹ سال ہیں بس یہ

تکلیف کے ہیں۔ باقی زندگی تو اتنی آسودہ، اتنی کروفروالی ہے کہ میں ساتھیوں سے کہا کرتا ہوں کہ آپ صحابہ کرامؓ کی ۱۹ سال کی قربانیاں بیان کرتے رہتے ہیں۔ تو میری طرح آدمی کہتا ہے کہ بہت اچھی بات تھی وہ بڑے بزرگ لوگ تھے۔ اچھی بات ہے انھوں نے قربانی دی۔ بہر حال میں تو نہیں کرسکتا۔ مجھے تو کوئی فوائد ہوں تب میں قبول کروں گا۔ تو اسلئے اُن ۱۹ سال کے ساتھ باقی ساڑھے بارہ سو سال کو بھی بیان کرو۔

فتح خیبر کے بعد پھر فاقہ نہیں آیا اور دورِ فاروقی میں صحابہ لپیں بھر کے اور کٹورے بھر کے درہم اور دینار تقسیم کرتے تھے گن کر نہیں دیتے تھے۔ دورِ عثمانی میں صبح منادی اعلان کرتا تھا کہ لوگو بیت المال کی گندم اور غلہ خراب ہو رہے ہیں جلدی نکالو۔ عصر کو دوسرا منادی اعلان کرتا تھا کہ بیت المال کا شہد خراب ہو رہا ہوا سے جلدی نکالو۔ پھر عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے قانون پاس کیا کہ زکوٰۃ ایک عبادت ہے نماز کی طرح۔ خود نکالو اور خود تقسیم کرو کیونکہ اس کو لانا سنبھالنا رکھنا اس کو ذخیرہ (stock) کرنا یہ بہت مشکل کام ہے یہ ہم نہیں کرسکتے یہ خود کرو۔ اور اس کے بعد عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کا دور جو آیا ہے اس میں تو اِس طرح ہوا ہے کہ زکوٰۃ لینے والا کوئی نہیں تھا۔ اتنی معاشی آسودگی آئی ہے۔ لہٰذا ضرورت اس بات کی ہے کہ ان تعلیمات کو ہم سمجھ رہے ہوں، ان کے کئے جدوجہد کر رہے ہوں، تاکہ وہ وجود میں آئیں اور اُن کے عملی فوائد ہمیں حاصل ہوں۔

سارے بیان کا خلاصہ اور نتیجہ یہ ہے کہ ان تعلیمات سے ہماری واقفیت ہو، ان کی لئے ہم جدوجہد کریں، تاکہ عملی طور پر وہ وجود میں آئیں اور ہمیں اُن کے دینوی اور اُخروی فوائد حاصل ہوں۔ تو یہ زندگی ہے حضور ﷺ کی جو ہمارے آپ کے لئے تو چھوڑیں پوری انسانیت کے لئے کشش کا ذریعہ ہے۔

ضروری اعلان

آئندہ ماہانہ اجتماع انشاء اللہ ۹ نومبر ۲۰۰۸ء بروز ہفتہ ہوگا۔ بیان عشاء کی نماز کے بعد ہوگا۔

زندقہ و الحاد

(عبدالباسط صاحب)

ملحد و زندیق کی تعریف:

قرآن وحدیث کی اصطلاح میں آیاتِ قرآنی سے عدول وانحراف (اصلی معنیٰ سے ہٹنا) کوالحاد کہتے ہیں۔لغوی معنیٰ کے اعتبار سے تو یہ عام ہے،صراحۃً کھلے طور پر انکار وانحراف کرے یا تاویلاتِ فاسدہ (غلط تشریح) کے بہانے سے انحراف کرے لیکن عام طور سے الحاد ایسے انحراف کو کہتے ہیں کہ ظاہر میں تو قرآن اوراس کی آیات پر ایمان وتصدیق کا دعویٰ کرے مگران کے معنیٰ اپنی طرف سے ایسے گھڑے جوقرآن وسنت کی نصوص (standard meanings) اور جمہور اُمت کو خلاف ہوں۔ (مسائل معارف القرآن صفحہ ۲۸)

کفر کی اس قسم کا نام قرآنِ مجید کی اصطلاح میں الحاد ہے۔جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

اِنَّ الَّذِیْنَ یُلْحِدُوْنَ فِیْٓ اٰیٰتِنَا لَا یَخْفَوْنَ عَلَیْنَاؕ (حٰم السجدہ:۴۰)

ترجمہ: جولوگ ہماری آیات میں الحاد کرتے ہیں وہ ہم سے چھپ نہیں سکتے۔

اورحدیثِ پاک میں اس قسم کے کفر وارتداد کا نام زندقہ رکھا گیا ہے۔جیسا کہ صاحب مجمع البحار نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے روایت کرتے ہوئے فرمایا ہے:

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس چند زنادقہ (گرفتار کر کے) لائے گئے۔زنادقہ جمعہ زندیق کی ہے اورلفظ زندیق ہراس شخص کے لئے استعمال کیا جاتا ہے جو دین میں الحاد (یعنی بے جا تاویلات) کرے اوراس جگہ مراد ایک مرتد جماعت ہے۔ (جواہرالفقہ جلدا)

شرح مقاصد میں علامہ تفتازانی اقسامِ کفر کی تفصیل بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں

"۔۔۔۔اگر نبی کریم ﷺ کی نبوت کے اقراراورشعائر اسلامی نماز،روزہ وغیرہ کے ساتھ کچھ ایسے عقائدِ دلی رکھتا ہو جو بالاتفاق کفر ہیں تو اس کوزندیق کہا جاتا ہے"۔ (جواہرالفقہ جلدا)

ہر دور میں اسلام کے خلاف مختلف فتنے ظہور پذیر ہوتے رہے ہیں۔ کبھی نبوت کے جھوٹے دعویداروں کا فتنہ تو کبھی منکرینِ حدیث کا فتنہ اور کبھی جدیدیت اور روشن خیالی کے نام پر متفقہ اسلامی عقائد، نظریات پر اعتراضات وشکوک بنا کر اُن کی نئی تشریح وتعبیر کرنے کا فتنہ وغیرہ۔ موجودہ دور میں عالم کفر کی سرپرستی جس فتنہ کو حاصل ہے وہ الحاد کی ایسی صورت ہے جس کا مقصد مسلمانوں کو متفق علیہ مسائل کے بارے میں شکوک وشبہات میں مبتلا کر کے انہیں دین کی اصلی صورت اور حقیقی روح سے دور کرنا ہے۔

پاکستان میں اس فتنہ کے سرخیل جاوید احمد غامدی جیسے لوگ ہیں۔ غامدی صاحب اور ان جیسے دوسرے ''سکالروں'' اور ''دانشوروں'' کی ساری کوششوں کا محور دین کی ایسی تشریح وتعبیر ہے جو اہلِ کفر کے ہاں قابلِ قبول ہو۔ مثال کے طور پر غامدی صاحب کے نزدیک عورتوں کے لئے پردہ کرنا تو درکنار سر ڈھانپنا بھی ضروری نہیں۔ غامدی صاحب کے ہاں ڈاڑھی رکھنا نہ واجب ہے نہ سنت۔ کیونکہ غامدی صاحب کے نزدیک چند مخصوص اعمال ہی سنت کی تعریف میں شامل ہیں۔ اسی طرح نہ وہ شراب نوشی پر کسی شرعی سزا کے قائل ہیں اور نہ ہی جہاد وقتال کو اسلامی فریضہ سمجھتے ہیں۔ زکوٰۃ کے نصاب کو منصوص ومقرر نہیں سمجھتے اور شرعی سزا 'رجم' کے قائل نہیں۔ اس کے علاوہ بہت سارے متفقہ اسلامی عقائد کے حوالہ سے مختلف نظریات کے حامی ہیں۔

غامدی صاحب اور ان جیسے دیگر حضرات کی ذرہ برابر کوشش بھی اس مقصد کے لئے استعمال نہیں ہو رہی کہ امت میں دینداری، تقویٰ، اور اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت عام ہو بلکہ ان کا سارا زور مسلمانوں کو دین کی اصل حقیقت سے دور کرنے اور روشن خیالی کے نام پر الحاد پھیلانے پر خرچ ہو رہی ہے۔ اللہ تعالیٰ کفر والحاد کے ان فتنوں سے تمام اہلِ ایمان کی حفاظت فرمائے۔

☆☆☆☆☆☆☆

صبح صادق اور صبح کاذب کے بارے میں ایک علمی اور تحقیقی جائزہ معروف بہ ”کشف الستر عن اوقاتِ العشاء و الفجر“ (قسط۔۶)

(مفتی شوکت صاحب)

صبح صادق کی دوسری علامت:

(۸) حکیم الامت، مجدد الملّت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی قدس اللہ سرہ کی تحریر آخر میں ملاحظہ فرمائیں:

”شب کے اخیر میں تاریکی کے بعد ایک نور ہوتا ہے جس کو صبح کاذب کہتے ہیں ناواقف خوش ہوجاتا ہے کہ تاریکی گئی۔ پھر دفعةً وہ نور زائل ہوجاتا ہے اور تاریکی چھاجاتی ہے مگر تھوڑی ہی دیر میں پھر دوسرا نور آتا ہے جس کو صبح صادق کہا جاتا ہے“

(بصائر حکیم الامت ص ۴۵۱، بحوالہ اشرف السوانح حصہ دوم)

(۹) محدث ملا علی قاریؒ : یہ ایک ایسا حوالہ الحمد للہ ہاتھ آگیا ہے، جس کو خود پروفیسر جناب عبد للطیف صاحب نے اپنی تصنیف میں تحریر فرمایا ہے۔ غالباً جناب نے محض صبح صادق کے حوالے نقل کرنے تھے اسلئے اس میں مذکور علامت کی طرف توجہ ہی نہیں فرمائی کہ خود جناب ہی کے نظریے کے خلاف جارہا ہے:

قال ابن الملک وھو الفجر الکاذب یطلع اولاً مستطیلاً الی السماء ثم یغیب و بعد غیبوبتہ بزمان یسیر یظھر الفجر الصادق“

(مرقات شرح مشکوٰۃ ج ۲، ص ۱۷۵، مکتبہ امدادیہ، بحوالہ صبح صادق وصبح کاذب ص ۸۹)

ترجمہ :ابن مالکؒ نے فرمایا کہ یہ صبح کاذب ہے جو، جو لمبی آسمان کی طرف ہوتی ہے، پھر یہ غائب ہوجاتی ہے۔ اس کے تھوڑی دیر کے بعد صبح صادق طلوع ہوتی ہے۔

مذکورہ بالا حوالوں میں صبح کاذب اور صبح صادق کے درمیان وقفے کو ”ثم“ یا ”تھوڑی دیر“ کے الفاظ سے تعبیر کیا گیا جس سے صاف طور پر معلوم ہوتا ہے کہ ان کے درمیان وقفہ گھنٹوں نہیں بلکہ منٹوں کے حساب سے ہوتا ہے۔

اذانِ بلالیؓ اور صبح کاذب:

ابتداء مقالہ میں چنداحادیث کا تذکرہ کیا گیا ہے جن میں غور کرنے سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ صبح کاذب پہلے نمودار ہوجاتی تھی ، پھر جونہی غائب ہوجاتی تو اس کے فوراً بعد صبح صادق طلوع ہونا شروع ہوجاتی تھی۔ بخاری کی حدیث میں یہ الفاظ بھی منقول ہیں: **و لم یکن بین اذانھما الا ان یرقیٰ ذا وینزل ذا** (یعنی ان دونوں اذانوں کے درمیان بس اتنا ہی فرق ہوتا تھا کہ ایک چڑھے اور دوسرا اترے)

چونکہ ظاہر حدیث سے یہ معلوم ہورہا ہے کہ ان دونوں اذانوں کے درمیان کوئی وقفہ تھا ہی نہیں، لہٰذا علامہ ابن حجرؒ اس کی توجیہ یہ بیان فرمائی۔ حضرت بلالؓ اذان کے بعد دعائیں وغیرہ مانگنے کیلئے اپنی جگہ کھڑے رہتے ، جب صبح صادق کا وقت قریب آجاتا تو اتر کر حضرت ابن ام مکتومؓ کو بتادیتے ، تاکہ وہ تیاری کرکے صبح کی اذان کیلئے حاضر ہوجائے۔ مطلب یہ ہوا کہ اذان بلالؓ اور اذان عبداللہ بن ام مکتومؓ کے درمیان بالکل اتصال نہیں تھا۔ بلکہ وہی تین درجے کے برابر فرق بنتا تھا۔

اب سوال یہ ہے کہ بلال کی اذان کس وقت ہوا کرتی تھی؟ قائلین ۱۵ والے حضرات کہتے ہیں کہ اذان بلالی صبح کاذب کے طلوع پر دی جاتی تھی۔ اور یہی وجہ ہے کہ ان کے نزدیک وہی وقت ۱۸ درجے زیر افق کا بنتا ہے۔ ان حضرات کی دلیل یہ ہے کہ اذان اس لئے دی جاتی تھی کہ تہجد پڑھنے والے متنبہ ہوکر صبح کی نماز کی تیاری کریں یا اگر کسی نے وتر کی نماز نہیں پڑھی وہ وتر پڑھیں اور اگر کسی نے سحری کرنی ہے تو وہ جلدی جلدی سحری کھائیں۔ اور یہ ساری چیزیں قریب صبح صادق کے ہی ہوتی ہیں۔ اگر بلالؓ اس ڈیوٹی پر مامور تھے تو ان کے پاس اور کیا نشانی ہوسکتی تھی جس سے صبح صادق کے قریب ہونے کا اندازہ لگایا جاسکتا تھا؟ کیونکہ بغیر کسی نشانی کے اذان رات کے ابتدائی یا درمیانی حصے میں بھی دینا ممکن تھا جس کا مذکورہ بالا امور میں سے کوئی فائدہ سامنے نہ آتا۔ لہٰذا صبح کاذب ہی واحد علامت ہے جس وقت اذان دیکر مذکورہ بالا مقاصد حاصل کئے جاسکتے ہیں۔

جبکہ قائلین ۱۸ والے حضرات فرماتے ہیں کہ سیدنا بلالؓ کی اذان سے یہ لازم نہیں آتا کہ آپ صبح کاذب کا مشاہدہ کرکے اذان دیتے تھے۔ یہ حضرات دو وجوہات کی بنیاد پر یہ دعویٰ کرتے ہیں: ایک تو یہ کہ ان کے نزدیک ''بروجی روشنی'' صبح کاذب ہے۔ چونکہ بروجی روشنی رات میں صبح صادق سے بہت دیر پہلے طلوع

ہوتی ہے لہٰذا بلالؓ کی اذان کو صبح کاذب کیساتھ تسلیم کرنے سے لازم آتا ہے کہ بروجی روشنی صبح کاذب نہیں ہے۔ دوسری وجہ یہ کہ یہ حضرات فرماتے ہیں ”بلالؓ اس لیئے اذان دیتے تھے تاکہ لوٹیں تم میں نماز پڑھنے والے اور اٹھیں تم میں سونے والے۔ اس سے تو یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا سونے سے جاگنے کے لئے اور سحری کھانے کے لیئے صبح کاذب کا دیکھنا ضروری تھا ؟ مگر اس کا جواب مذکورہ بالا دلیل سے ہو جاتا ہے کہ ان امور کیلیئے صبح کاذب کا دیکھنا ضروری تو نہیں تھا، مگر رات کے آخری اور صبح صادق کے طلوع سے تھوڑی دیر پہلے کے وقت کی تعیین کیلیئے ضروری تھا۔ بعض حضرات یہ بھی فرماتے ہیں کہ اس تھوڑے وقفے میں خصوصاً سحری کیسے کھائی جا سکتی ہے؟ مگر اس کا جواب ہمیں احادیث ہی سے مل جاتا ہے کہ اس وقت ان بزرگوں کی سحری ایک تو یہ کہ نہایت سادہ تھی، دوسری بات یہ بالکل اخیر وقت میں ہوا کرتی تھی، اور ایسی سحری کیلیئے مختصر وقت بھی کافی ہو سکتا ہے۔ بخاری اور مسلم کی حدیث ہے:

عن زید بن ثابت قال تسحرنا مع النبی ﷺ ثم قام الیٰ الصلوٰۃ قلت کم کان بین الاذان والسحور قال قدر خمسین آیۃ

(رواہ مسلم، بخاری، ترمذی، ابن ماجہ، مسند احمد)

ترجمہ: زید بن ثابتؓ سے روایت ہے کہ ہم نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ سحری کھائی، اس کے بعد آپ نماز کیلیئے کھڑے ہو گئے۔ (راوی کہتا ہے) میں نے کہا اذان اور سحری کے درمیان کتنا وقفہ تھا (زید نے کہا) پچاس آیات پڑھنے کے برابر۔

پھر یہی واقعہ فتح الباری میں ابن حبان اور نسائی کے حوالے سے یوں نقل کیا گیا ہے:

عن انس قال قال لی رسول اللہ ﷺ یا انس انی ارید الصیام اطعمنی شیئاً، فجئته بتمر واناءٍ فیه ماء، وذالک بعد ما اذن بلال: قال: یا انس انظر رجلاً یاکل معی: فدعوت زید بن ثابت، فجاء فتسحر معه ثم قام فصلی رکعتین، ثم خرج الی الصلوٰۃ (فتح الباری)

ترجمہ: حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ مجھے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میرا روزے کا ارادہ ہے لہٰذا سحری کے طور پر کچھ کھلا دو۔ پس میں کچھ کھجور اور ایک برتن میں پانی لے آیا۔ پھر فرمایا کہ کوئی شخص ڈھونڈ وجو

میرے ساتھ کھائے میں نے زید بن ثابت کو بلایا۔ زید نے آپ ﷺ کے ساتھ سحری کھائی پھر کھڑے ہو کر دو رکعات نماز پڑھی، پھر نماز کیلئے باہر تشریف لے گئے۔

اس پورے واقعے سے یہ معلوم ہوتا کہ انکی سحری کیلئے دس منٹ بھی بالکل کافی تھے۔

جناب سید کاکا خیل صاحب تیسری وجہ یہ تحریر فرماتے ہیں:

''بلالؓ اذان صبح کاذب کو دیکھ کر دیتے تھے۔ کافی تلاش کرنے کے بعد بھی احادیث شریفہ سے کوئی ایسا اشارہ نہیں معلوم ہو سکا کہ بلالؓ صبح کاذب دیکھ کر اذان دیا کرتے تھے۔۔۔۔۔ اس لئے اذان بلالؓ اور فجر مستطیل کے وقوع کو ایک وقت پر ثابت کرنے کے لئے مستقل دلیل کی ضرورت ہے جو کہ یہاں نہیں ہے''۔

جواباً عرض ہے محترم جناب سید صاحب تو فرمارہے ہیں کہ ''کافی تلاش کرنے کے بعد بھی احادیث شریفہ سے کوئی ایسا اشارہ نہیں معلوم ہو سکا'' مگر الحمد للہ اشارہ صرف نہیں بلکہ پوری مستقل روایت ایسی مل گئی جس میں یہ حقیقت بالکل صاف الفاظ میں بیان کی گئی ہے۔ کہ جس وقت حضرت بلالؓ اذان دیا کرتے تھے تو صبح کاذب طلوع ہوئی ہوتی تھی۔ اور یہ ارشاد کوئی دوسرے صحابیؓ نہیں بلکہ خود زبان رسالت اس کی گواہی دے رہی ہے۔ تحفۃ الاحوذی بشرح جامع الترمذی میں ایک روایت ہے:

واما حديث ابى زر فاخرجه الطحاوى فى شرح الآثار بلفظ : قال رسول الله ﷺ لبلالؓ انک تؤذن اذا كان الفجر ساطعاً وليس ذالک الصبح انما الصبح هكذا معترضاً كذا فى نصب الرايه

(تحفۃ الاحوذی بشرح جامع الترمذی، للمبارکفوریؒ، مجلد:۳، صفحہ نمبر ۳۱۹، دارالکتب العلمیہ، بیروت، لبنان، شرح معانی الآثار باب التاذین للفجر)

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ نے بلالؓ کو فرمایا کہ تم جو اذان دیتے ہو اس وقت فجر کی روشنی اونچائی کی طرف ہوتی ہے، جو کہ صبح (صادق) نہیں ہے۔ صبح صادق تو وہ ہے جس کی روشنی دائیں بائیں پھیلی ہوئی ہو۔

خلاصہ کلام یہ کہ روایات پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ صبح کاذب صبح صادق سے کچھ تھوڑے ہی وقفہ پہلے طلوع ہو کر بالکل صبح صادق کے طلوع سے پہلے غائب ہو جاتی ہے پھر اس کے فوراً بعد صبح صادق ظاہر

ہو جاتی ہے۔اور مؤخر الذکر حدیث میں تو بالکل صراحت کیساتھ بیان فرمایا گیا کہ بلالؓ اس وقت اذان دیا کرتے تھے جب صبح کاذب طلوع ہو جاتی تھی۔

﴿مشہور مدارس کے فتوے﴾

صبح صادق اور صبح کاذب کے درمیان وقفے کے حوالے سے جب مدارس اسلامیہ کے مفتیان کرام سے استفتاء کیا گیا تو ان بزرگوں نے بھی وہی جواب ارسال فرمایا، جو پچھلے صفحات میں قارئین مطالعہ فرما چکے۔ذیل میں مدارس کے فتوے ملاحظہ ہوں:

(۱) جامعہ عثمانیہ پشاور:

"جبکہ اس سے پہلے افق سے کافی بلندی پر نمودار ہونے والی مستطیل روشنی ظاہر ہوتی ہے جو صبح صادق تک باقی رہتی ہے اور یہ صبح کاذب ہے۔فقہ اور فلکیات میں یہ وضاحت بھی ہے کہ صبح صادق سے صرف تین درجہ پہلے صبح کاذب نظر آتی ہے"

(مورخہ:۲۵/۴/۲۰۰۶، فتوی نمبر ۳۲۸/۲۹۷،۱۹/۲۰،۲۰/۲۰، سلسلہ وار:۱۹۷۲)

(۲) جامعہ فریدیہ اسلام آباد:

"صورت مسئولہ میں کتب حدیث، فقہ اور فلکیات میں وضاحت کی گئی ہے کہ صبح صادق سے کچھ قبل صبح کاذب کی روشنی ظاہر ہوتی ہے جو صبح صادق تک باقی رہتی ہے"

(فتوی نمبر ۲۲/۱-۱۰۹، مورخہ:۱۱/۳/۱۴۲۷ھ)

(۳) جامعہ تعلیم القرآن راولپنڈی:

نیز یہ فاصلہ ابتداء صبح کاذب اور ابتداء صبح صادق کے درمیان ہے، ورنہ انتہاء صبح کاذب اور ابتداء صبح صادق میں کوئی فاصلہ نہیں ہوتا، دونوں آپس میں متصل ہوتے ہیں۔صبح کاذب کی جو روشنی طول میں ہوتی ہے، جب وہ پھیلنا شروع ہو اور عرض طول سے زیادہ ہو جائے، اور اس میں سرخی کی کچھ جھلک نظر آنے لگے تو یہی صبح صادق ہے۔

(فتوی نمبر ۱۳۱۵، مورخہ:۲۳/۳/۱۴۲۷ھ)

(۴) جامعہ امداد العلوم پشاور صدر:

"خوب سمجھ لیں کہ اصطلاح شریعت میں ابتداء صبح میں افق سے کافی بلندی پر نمودار ہونے والی مستطیل روشنی کو صبح کاذب کہا جاتا ہے پھر یہی روشنی جب نیچے اتر کر عرضاً پھیلتی ہے اور طول سے عرض زیادہ ہو جاتا ہے اور اس میں کچھ سرخی کی جھلک آ جاتی ہے تو اسے صبح صادق کہا جاتا ہے"۔ (فتویٰ نمبر: ۵۸۷۷)

خلاصہ کلام :

مذکور بالا عبارات میں صبح کاذب کا جس طرح تذکرہ فرمایا گیا ہے اس کو پڑھ کر معمولی فہم رکھنے والا بھی یہ حقیقت نہایت آسانی سے سمجھ سکتا ہے کہ صبح صادق سے پہلے صبح کاذب کی روشنی ظاہر ہوگی پھر تھوڑے دیر بعد یہ روشنی چلی جاتی ہے پھر اس کے بعد معمولی وقفے کیلئے اندھیرا نظر آ جاتا ہے جس کے بعد فوراً صبح صادق کی روشنی نمودار ہو جاتی ہے۔ مسلمان ماہرین فن کی طرف سے یہ تصریح کہ حقیقت میں رات کا اندھیرا آتا ہی نہیں بلکہ حقیقت میں اس روشنی کی نظروں سے نہایت دوری اور اس کے ضعف کی وجہ سے ظاہری طور پر افق تاریک نظر آ جاتا ہے تو اس تصریح کے بعد ہم بلا توقف یہ کہہ سکتے ہیں کہ صبح کاذب اور صبح صادق آپس میں متصل ہوتے ہیں، یعنی ایسا نہیں ہوگا کہ صبح کاذب تو آدھی رات میں ظاہر ہو کر غائب ہو جائے اور صبح صادق اس کے گھنٹوں بعد طلوع ہو۔ یہی وجہ ہے کہ مذکورہ بالا مستند دار الفتاوٰوں سے یہی جواب موصول ہوا ہے کہ صبح کاذب کی انتہاء (اختتام) اور صبح صادق کی ابتداء کے درمیان، ماسوائے معمولی اندھیرے کے، کوئی خاص وقفہ نہیں ہوگا اور جو حضرات یہ کہتے ہیں کہ صبح کاذب کے کافی وقت پہلے غائب ہونے کے بعد صبح صادق طلوع ہوگی، تو اس صورت میں جس روشنی کو ان حضرات نے صبح کاذب سمجھا ہے اس میں ان کو مغالطہ ہوا ہے۔ فتاویٰ جات کی مختصر عبارات ہم نے مع حوالہ پیش کر دیئے ہیں۔ (جاری ہے)

پولیو

(ڈاکٹر سید فہیم شاہ، ڈسٹرکٹ اسپیشلسٹ، کوہاٹ)

پولیو (Polio) کی بیماری ایک سے پانچ سال کی عمر کے بچوں میں پٹھوں پر اثر انداز ہونے والی بیماری ہے جس سے جسم کا متاثرہ حصہ فالج زدہ ہو جاتا ہے۔ یہ بیماری پولیو وائرس (polio virus) سے لگتی ہے جو متاثرہ بچے کے فضلے میں پایا جاتا ہے۔ یہ وائرس پچانوے فیصد (۹۵%) بچوں میں بغیر کسی بیماری کے خود ہی ختم ہو جاتا ہے۔ ۵ فیصد بچوں میں مندرجہ ذیل طریقہ سے علامات ظاہر ہوتی ہیں۔

۱〉 Minor Illness 〈چھوٹی بیماری〉

۴ فیصد بچوں میں ہلکے بخار، سر درد، اُلٹی، دست، قبض، اور گلے کا خراب ہونا۔ یہ علامات ۲ سے ۳ دن تک رہتی ہیں۔ پھر بچہ خود بخود ٹھیک ہے جاتا ہے۔

۲〉 Non-paralytic Polio 〈بغیر فالج پولیو〉

اوپر لکھی ہوئی علامات کے علاوہ گردن کے پٹھوں کا کھنچ جانا یعنی سخت ہو جانا۔

۳〉 Paralytic Polio 〈فالج زدہ پولیو〉

یہ مرض اعصابی نظام پر اثر انداز ہو کر بچے کے متاثرہ پٹھے کو کمزور یا ناکارہ بنا دیتا ہے۔ پٹھے کے علاوہ سانس کی نالیاں بھی بعض اوقات متاثر ہو سکتی ہیں جس میں بچے کو سانس لینے میں دشواری ہوتی ہے۔ اس میں ہلکا بخار، سر درد، رعشہ طاری ہونا، قبض ہونا، پیٹ کا پھولنا جیسی علامات بھی ظاہر ہو سکتی ہیں۔ ان علامات کے دوران پٹھے کمزور یا ناکارہ ہو سکتے ہیں۔ کمزوری کا یہ عمل ۲ سے ۳ دن میں مکمل ہو جاتا ہے۔

یہ مرض اعشاریہ ایک فیصد (0.1%) یعنی ۱۰۰۰ متاثرہ بچوں میں سے صرف ایک بچے کو فالج زدہ پولیو ہونے کا خطرہ ہوتا ہے۔

ضروری ہدایات / حفاظتی تدابیر

۱۔ کھانا کھانے سے پہلے اور لیٹرین سے آنے کے بعد ہاتھ اچھی طرح ۳ دفعہ صاف پانی سے دھوئیں۔ بچوں میں خصوصاً اس کا اہتمام کروائیں۔ انشاءاللہ پولیو کی بیماری نہیں ہوگی۔

۲۔ پینے کے لئے صاف پانی کا بندوبست کریں۔ اگر کہیں شک ہو تو اپنے بچے کو پانی ابال کر پلائیں۔ سکول بھیجتے وقت اپنا پانی بوتل میں ڈال کر دیں۔

۳۔ چھ ماہ کی عمر تک بچوں کو صرف ماں کا دودھ دیں۔ اس دوران بچوں کو پانی بھی نہ دیں کیونکہ پانی کی ضرورت ماں کے دودھ سے پوری ہو جاتی ہے۔ اگر بچے کو دست کی بیماری لگ جائے تو پانی کے لئے قریبی ڈاکٹر سے مشورہ کریں۔

۴۔ چھ ماہ کے بعد ماں کے دودھ کے ساتھ ہلکی غذا بھی دیں۔

۵۔ ماں کا دودھ دو سال تک جاری رکھیں۔ اس سے بچے میں قوتِ مدافعت زیادہ ہوتی ہے۔

۶۔ ہمارے ہاں ویکسین (vaccine) قطرے کے ذریعے منہ میں ڈالی جاتی ہے جبکہ باہر ممالک میں رگ یا گوشت میں انجکشن کی شکل میں دی جاتی ہے۔ منہ میں قطرے پلانے کے ایک مہینے کے اندر کوئی بھی غیر ضروری عضلاتی انجکشن (intramuscular injection) لگانے سے اجتناب برتنا چاہئے۔ اس سے Vaccine Associated Paralysis (متاثرہ حصہ کا فالج یعنی ساکت ہونا یا کمزور ہونا) ہو سکتا ہے۔

بحوالہ:

1) Harrison's Principles of Internal Medicine

(2005; 175:1147 Vol:1) (جلد ۱ صفحہ ۱۱۴۷ باب ۱۷۵)

2) CMDT Current Medical Diagnosis & Treatment

(2008; 32:1193-94)

(جلد ۱ صفحہ ۱۱۹۳-۹۴ باب ۳۲)

حیرت انگیز

(ادارہ)

عبدالحفیظ صاحب سب انجنیئر سلسلہ میں بیعت ہیں اور محکمہ سی۔ڈی۔ایم۔ڈی میں بطور سب انجنیئر کام کرتے ہیں۔اس محکمہ کا سابقہ نام پی۔ڈی۔اے، پشاور ڈیویلپمنٹ اتھارٹی ہے۔وہ فرماتے ہیں ۹۰۔۱۹۸۹ میں بحیثیت سروئیر میں نے محکمہ کی طرف سے یونیورسٹی کوآپریٹو ہاؤسنگ سوسائٹی کے ترقیاتی کام کی نگرانی شروع کی۔اس سوسائٹی کی زمین آج کل پروفیسر کالونی نزد زرعی یونیورسٹی کی شکل میں ہے۔

ترقیاتی کام کے دوران ہم سڑکوں وغیرہ کی کھدائی کر رہے تھے کہ دوران کھدائی کچھ قبریں نکل آئیں۔کئی قبروں کا اندر سے یہ حال تھا کہ ہڈیاں پڑی ہوئی ہیں اور اندر سے قبر کی زمین ایسی نظر آرہی تھی گویا اس جگہ عرصہ دراز تک آگ جلی ہوئی ہے۔جس طرح مٹی کا چولھا جس کے اندر لکڑیاں جلائی گئی ہوں۔ایک قبر کو مزدور کھود رہے تھے جب قبر کھلی تو مزدوروں نے آواز دی کہ بابو صاحب قبر سے خوشبو آرہی ہے۔مزدوروں نے قبر کو ذرا کھولا تو کفن میں لپٹی ہوئی لاش اندر پڑی ہوئی تھی۔مردہ کی سرخی مائل کالی داڑھی تھی۔مردہ صحیح سالم تھا۔گوشت بھی مکمل تھا۔اس قبر کو دوبارہ بند کر دیا۔راستہ بدل دیا۔اس جگہ پر آج کل مسجد کی پانی کی ٹینکی بنی ہوئی ہے۔پروفیسر کالونی کے مکانوں کی بنیادیں کھودتے کئی ڈھانچے نکلے ہیں۔اور اس زمین پر کئی سال مقامی لوگوں اور پروفیسر صاحبان کی مقدمہ بازی رہی۔مقامی لوگوں کا دعویٰ کہ یہ ہمارے آبا و اجداد کا قبرستان ہے۔لیکن پورے کاغذات میں وہ قبرستان ثابت نہ کر سکے۔بلکہ کاغذات میں 'بنجر قدیم' لکھا ہوا تھا۔نہ کوئی یہ ثابت کر سکا کہ کسی قبر والے کا کوئی رشتہ دار موجود ہو۔دراصل پرانے زمانے میں کابل سے پشاور کا راستہ موجودہ جمرود روڈ پر نہیں تھا بلکہ قافلہ روڈ جس پر اونٹوں کے قافلے چلتے تھے پروفیسر کالونی والی زمین سے ہو کر گذرتی تھی۔یہاں قافلے پڑاؤ کرتے تھے۔قافلے کا کوئی بیمار وغیرہ مر جاتا تھا تو چونکہ اس زمانے میں زمین کی کوئی خاص وقعت نہیں تھی اس لئے اسی بنجر زمین میں اس مسافر مردے کو دفن کر دیتے تھے۔چنانچہ یہ قبرستان سو سال سے زیادہ پرانا ہے۔

ملفوظاتِ شیخ 〈حضرت ڈاکٹر فدا محمد دامت برکاتھم〉(قسط۔۶)

(ظہور الٰہی فاروقی صاحب)

رسُول اللہ ﷺ کو اُمت کی بڑی چاھت ھے: فرمایا کہ ہمارے گاؤں میں ایک لڑکی تھی اس کے گردے فیل ہوگئے تھے اور اس زمانے میں گردے کی صفائی (Dialysis) کا انتظام نہ تھا۔ ایک انجکشن ہوتا تھا (Lasix) اس کی کافی مقدار (Heavy Doze) لگائیں تو اس سے گردہ چل پڑتا تھا۔ بہرحال اس لڑکی کو شفا تو نہ ہوئی البتہ اس پر نزع طاری ہوگیا۔ نزع کی حالت میں اس نے ہاتھ سے اِشارہ کرکے کہا کہ ہٹ جائیں ہٹ جائیں کہ حضور ﷺ تشریف لا رہے ہیں۔ اولیاء کا ایک گروہ ہے کہ ان کی وفات کے وقت آپ ﷺ خود روحانی طور پر تشریف لاتے ہیں۔

بڑی ہی چاہت ہے تیرے لیے اُس طرف سے، تُو بھی اگر چاہ لے تو کام بن جائیگا۔ سُبحان اللّٰہ! تو اس بات پر غور کریں اور اپنے لیے فیصلہ کریں کہ منزل بہت دُور نہیں ہے تیرے اپنے ہاتھ میں ہے تیرے اپنے آگے ہے۔ تیرے اسی قدم کے نیچے ہے جہاں تُو کھڑا ہے۔ بس یہیں توبہ تائب ہوجا...نیت کرلے۔ یہیں فیصلہ ہوجائیگا آگے لمبا مسئلہ نہیں ہے۔ تُو اور میں چاہت و محبت نہیں کرتے ہیں ورنہ آپ ﷺ کو تو بہت چاہت اور محبت ہے۔ تو ابھی بھی تجھ پر جو تکلیف آتی ہے اس کو حضور ﷺ محسوس فرماتے ہیں ان کو دُکھ ہوتا ہے۔

؎ وہ ذاتِ مقدس خود جویائے محبت ہے　　پھر دیکھ تو لے کر کے ان سے کوئی یارانہ
؎ آرزو آدم و عیسٰی نے تمھاری کی ہے　　کتنے معصوم رسولوں کی تمنا تم ہو

پسندیدہ شخصیت کے باطن پر اثرات: فرمایا کہ ایک واقعہ پہلے بھی میں نے سنایا تھا کہ جب ہم اسلامیہ کالج میں پڑھتے تھے (۶۵۔۱۹۶۴ء میں) تو اس زمانے میں یہ ٹیٹر ان والا کپڑا نہیں تھا۔ لٹھہ اور پاپلین کا کپڑا ہوا کرتا تھا اور ان کے ملبوسات لوگ بنوایا کرتے تھے یا پھر ''دوگھوڑا بوسکی'' ہوتی تھی۔ یہ جو انگریزی کالر آپ لوگ بنواتے ہیں اور اسکو پیچھے موڑتے ہیں اس کا رواج لارڈ کرزن کے زمانے سے شروع ہوا، اور اب تک چل رہا ہے۔ تو میں نے کالج میں دیکھا کہ لڑکوں نے کالج میں اپنی قمیض کے اس انگریزی کالر کو پیچھے موڑنے کے بجائے سیدھا کھڑا کیا ہوا ہے۔ میں نے سوچا کہ یہ کیا بات ہوگئی ہے؟ اس وقت ہندوستان کی

فلمیں پاکستان میں چلا کرتی تھیں، (۱۹۶۵ء تک چلتی تھیں جنگ کے بعد بند ہوگئیں) تو ایک شخص نے کہا کہ فلاں فلم میں دیو آنند نے جو کہ ہندوستانی فلموں کا مشہور بھانڈ اور کنجر (ایکٹر) تھا ایک فلم میں اداکاری کرتے ہوئے کالر کو اِس طرح سیدھا کھڑا کیا ہوا تھا۔ لڑکوں کو وہ ادا پسند آئی اور اب اُس کا اتباع کررہے ہیں اور اُس کو اختیار کررہے ہیں۔ تو گویا ان کو وہاں سے فیض حاصل ہوا ہے کیونکہ وہی اُن کا آئیڈیل ہے۔

ہر آدمی کے دل میں کوئی پسندیدہ ہوتا ہے یعنی آئیڈیل ہوتا ہے، کوئی معیار ہوتا ہے، کسی کی طرف بار بار توجہ اور دھیان جاتا رہتا ہے، تو اسی کا اثر اس کے باطن میں آتا ہے اور حقیقتِ بیعت اسی کو کہتے ہیں۔ یعنی تصوف کی زبان میں کہتے ہیں کہ آپ کی مناسبت کس کے ساتھ ہے جس کے ساتھ آپکی مناسبت ہے وہیں سے آپ کو رُوحانی فیض حاصل ہوگا۔ خواہ وہ ظلمت والا ہے یا نورانیت والا۔

ہمارے سلسلے کا ذکر جہری اور فیض لسانی ہے: فرمایا کہ ایک مرتبہ بیان ختم کرنے کے بعد جب گھر کی طرف واپس جارہا تھا تو برخودار نثار صاحب کہہ رہے تھے کہ آواز نہیں آرہی تھی۔ اس پر بندہ کو غصہ آیا اور برخوردار سے کہا کہ یہ بات تو آپ کو بیان کے دوران کہنی چاہیے تھی، میں نے تو اتنی دیر خوب زور لگایا اور آپ بیان کے خاتمے پر کہہ رہے ہیں کہ آواز نہیں آرہی تھی۔

حضرت مولانا اسلم صاحب، جو نشتر میڈیکل کالج کے خطیب ہوا کرتے تھے اور رائے ونڈ کے سالانہ اجتماع میں بیان فرمایا کرتے تھے، نے ہمیں ایک قصہ سنایا کہ ایک خان صاحب ایک گانے والی کو لیکر آیا۔ بہت لوگ جمع ہوئے کہ گانا سنیں گے بڑا لطف آئیگا۔ اس گانے والی کی آواز بہت خراب تھی اور جونہی اس نے شروع کیا تو ایک ایک کر کے ہر کوئی بھاگتا چلا گیا، یہاں تک کہ سارے لوگ چلے گئے۔ اب صرف خان صاحب رہ گیا کیونکہ اس نے تو پیسے ادا کئے ہوئے تھے، آخر اس کو بھی نیند آنے لگی اور وہ جب سونے لگا تو گانے والی عورت نے کہا کہ خان صاحب! آپ بھی سو رہے ہیں تو خان صاحب نے کہا کہ ہمیں آپ پر اعتبار ہے کہ آپ صبح تک گاتی رہیں گی۔ تو آپ لوگوں کو بھی ہم پر اعتبار رہوتا ہے کہ آپ گھنٹہ دو گھنٹہ لگے رہیں گے۔ اعتبار کی بات تو نہیں ہوتی یہ تو سننے کی بات ہوتی ہے کہ جب میں بول رہا ہوں تو آپ کو آواز آرہی ہو۔ اگر آواز نہ آرہی ہو تو اسی وقت کہنا چاہیے کہ آواز نہیں آرہی ہے تاکہ آواز پہنچانے کا بندوبست کیا جائے کیونکہ ہمارے سلسلے میں "ذکر جہری ہے اور فیض لسانی ہے"۔ ہمارے مشائخ توجہ نہیں ڈالتے بلکہ زبان سے جو کلمات اللہ تعالیٰ

کے تعلق کے ادا ہوں اور دینی مضامین بیان ہوں ان کو دھیان سے سنا جائے اور آدمی ان پر غور کرے تو اس سے باطن میں فیض آتا ہے توجہ کرنا ہمارے سلسلے میں نہیں ہے۔ حضرت تھانویؒ نے لکھا ہے کہ **'اقرب الی السنة'** فیض لسانی ہے کہ انبیاء علیہم السلام کا طریقۂ فیض لسانی کا رہا ہے۔ بہر حال ہم مشائخ کی توجہ کے طریقے کے خلاف بھی نہیں ہیں۔

اضطراری اور غیر اختیاری مناسبتیں: فرمایا کہ اگر کسی آدمی کو اہل حق کا اور اہل اللہ کا اور نیک لوگوں کا غیر اختیاری تعلق بِلا اِرادہ حاصل نہیں ہے تو اِس کو قصداً، اِرادةً اپنے آپ کو مجبور کر کے مجالس میں لے جانا اور دھیان اس طرف لگانا اور کوشش کرنا اور ملنا ملانا اور انکی تعلیمات کو سننا اور انکی تحریروں کو پڑھنا چاہیے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ وہ جو باطن میں باطل کا، غیر اللہ کا اور غیر معیاری اور فاسق وفاجر لوگوں کا جو تعلق بنا ہوا ہے وہ آہستہ آہستہ مدہم ہوتا جائے گا اور آخر کار ایک دن ٹوٹ جائیگا اور جب یہ ٹوٹ جائیگا تو آپ کے قلب پر اُن کی طرف سے ظلمت آنا بند ہو جائیگی اور قلب کا جو زوال ہو رہا تھا اور باطن میں جو تاریکی آرہی تھی وہ بھی آنا بند ہو جائیگی۔ اور ایک دن انشاء اللہ تعالیٰ طبیعت صلحاء کی طرف بھی مائل ہو جائے گی اور طبعی تعلق بھی ہو جائیگا۔

جس دن مکہ مکرمہ فتح ہوا تو قریش مکہ کا خیال تھا کہ جس طرح اور لوگ شہروں کو فتح کرتے ہیں، مال لوٹتے ہیں، عورتوں کی بے حرمتی کرتے ہیں، ان پر ہاتھ ڈالتے ہیں تو ایسے ہی یہ لوگ بھی کرینگے کیونکہ سارے انسان ہیں، ہر کسی کے ساتھ sex (جنسی خواہش) ہے، ہر کسی کو مال کی ضرورت ہے۔ جس وقت ابوسفیانؓ نے ہتھیار ڈال دیئے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلان فرمایا کہ جو ابوسفیانؓ کے گھر میں پناہ لے گا اُس کو بھی امن ہے۔ لیکن جب مذاکرات کر کے واپس گھر آیا تو اس کی بیوی ''ہند'' نے ابوسفیانؓ کی بڑی بڑی مونچھوں سے پکڑ کر گھسیٹا اور زمین پر گرادیا کہ تُو تو ہتھیار ڈال کر آ گیا ہے اور اُدھر سے اعلان ہو رہا ہے کہ جو تیرے گھر میں آ گیا وہ بھی محفوظ ہے اس کو بھی امن ہے۔ رات کو قریشِ مکہ اس انتظار میں تھے۔ بیت اللہ شریف جو کہ وادیٔ مکہ کی سب سے زیریں مقام پر تعمیر ہوا ہے، اب تو بڑی بڑی اُونچی عمارتیں ہو گئیں ہیں ورنہ ۱۹۷۵ء میں مجھے یاد ہے کہ سارے مکہ مکرمہ کے ہر گھر سے بیت اللہ شریف نظر آتا تھا۔ اور غارِ حرا جو کہ وہاں سے تین یا چار میل دُور ہے وہاں سے بھی بیت اللہ شریف نظر آتا تھا۔ میں نے ۱۹۷۵ء میں غارِ حرا سے خود دیکھا ہے۔ اب شاید مینارہ نظر آتا ہے مگر اس وقت بیت اللہ شریف نظر آتا تھا۔ تو اب ابوسفیانؓ اور اُس کی بیوی ہند بیٹھے ہوئے ہیں اور

رات کو جو صحابہ کرامؓ نے بیت اللہ شریف کا طواف کیا، نوافل پڑھے، روئے اور گڑگڑائے اور اللہ کے حضور دُعا میں بلبلائے تو ابوسفیانؓ نے ہند سے کہا کہ اس نظارے کو دیکھو۔ کیا یہ حق نہیں ہے؟ تو اس نے جواب دیا کہ ہاں یہ حق ہے اور واقعی یہ دُنیا دار لوگ نہیں ہیں۔ یہ اہل اللہ اور اللہ کے تعلق والے ہیں اور واقعی یہ معیاری لوگ ہیں اور واقعی یہ حق ہے۔ لہٰذا صبح یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت ہونے کے لیے آئی، ساری عورتیں بیٹھی ہوئی تھیں تو اس نے پردہ کیا ہوا تھا اور اپنے آپ کو چھپایا ہوا تھا تاکہ میں نظر نہ آؤں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عورتوں کو یہ پابندی کرنی پڑے گی کہ اپنے نفس کی حفاظت کریں گی کہ اُن سے کوئی کوتاہی نہ ہو۔ تو اس ہند نے کھڑے ہو کر کہا کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! کیا کوئی شریف عورت اس بات کو سوچ بھی سکتی ہے کہ وہ غیر مرد کی طرف مائل ہوگی۔ تو وہ بھی ایسی غیرت والی عورت تھی کہ شریف عورت کے متعلق اس کا یہ ذہن تھا کہ ناممکن ہے کہ کسی غیر کی طرف مائل بھی ہو۔ خیر باقی تمام عورتوں کے ساتھ یہ بھی بیعت ہوگئی۔ پھر یہ سامنے آئی اور کہا کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میں ہند ہوں اور ابوسفیانؓ کی بیوی ہوں اور کہنے لگی کہ کل تک میری نظر میں سب سے بُرا خیمہ آپ ﷺ کا تھا (کہ آپ ﷺ کے خیمے کو دیکھ کر تکلیف ہوتی تھی) لیکن اب سب سے بہتر خیمہ میری نظر میں وہ ہے جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہوں۔ مطلب یہ ہے کہ طبیعت پر جبر کیا، حق کو اختیار کیا، آپ ﷺ کے قریب ہوئیں اور بیعت اختیار کی..... تو اللہ تعالیٰ نے قلب میں جو کدورت تھی اسکو نکال دیا اور مناسبتِ طبعی حاصل ہوگئی۔ ایسے ہی ہمارے دل میں سارا غیر اللہ بیٹھا ہوا ہے اور ہمارا دل اسی میں لگتا ہے۔

دل سے شہوت کا خیال گزرنا: فرمایا کہ بعض صوفیاء اپنے مشائخ سے یہ پوچھتے ہیں کہ میں شادی نہیں کرنا چاہتا! تو ان کو محققین کہا کرتے ہیں کہ اس کے لیے یہ ضروری ہے کہ آپ کے دل سے بھی شہوت کا خیال نہ گزرے، تب اگر شادی نہ کریں تو خیر ہے۔ اگر دل سے بھی خیال گزرتا ہو تو پھر اس کا بندوبست کرنا ہوگا۔

باطن میں اندھیرا: فرمایا کہ آج ہم لوگوں کی یہ حالت ہے کہ دل ہمارا صحیح جگہ پہ نہیں لگتا، ہمیشہ فضولیات میں لگے گا۔ ہمارا ایک کلاس فیلو ہوتا تھا، ایک دن اس نے کہا کہ یار فدا! آپ سے ایک بات پوچھتا ہوں کہ مسجد میں نماز کے لیے جب جاتا ہوں ناں تو دل چاہتا ہے کہ بھاگ کر باہر نکل جاؤں..... بیٹھنے کو دل ہی نہیں کرتا۔ یہی تو دل کے اندھیرے کی اور ظلمت کی علامت ہوتی ہے۔ مچھلی کا دل پانی میں رہنے کو چاہا کرتا ہے اگر

پانی سے نکالیں تو تڑپا کرتی ہے کیونکہ اُسی کے ساتھ اس کا دل لگا ہوا ہے، اس کی حیات و زندگی کا دارومدار پانی پر ہے۔ تو جب دل خیر کی جگہوں پر نہ لگتا ہو تو آدمی فوراً جان لے کہ باطن میں اندھیرا ہے اور اگر دل لگ گیا تو اب اِنشاءاللہ تعالیٰ روشنی آنے کے حالات ہیں۔

دل اور نفس پر جبر کرنا : فرمایا کہ دل لگنے کے لیے جبر کریں کہ پہلے آدمی جبراً کیا کرتا ہے اور جس لائن میں آدمی نفس پر جتنا جبر کرتا ہے پھر وہ اس کا اتنا ہی ماہر ہو جاتا ہے۔ ہمارے محلے میں محبّ الرحمٰن، قاضی مجیب الرحمٰن صاحب (سابق پروفیسر و صدر شعبہ اسلامیات) کا بیٹا ہوتا تھا، ہاکی کی دُنیا کا چیمپئن تھا اور پاکستان کی قومی ٹیم میں تھا۔ اس نے اپنے آپ کو، اپنے بدن کو، اپنے نفس کو دوڑ دوڑ کر اور کھیل کھیل کر اتنا تھکایا تھا کہ انتہا کر دی۔ اس کی دو بڑی عجیب قربانیاں یاد ہیں، ایک تو باپ کے جنازے پر نہیں آسکا تھا کیونکہ وہ عالمی سطح کا میچ کھیلنے گیا ہوا تھا، تو باپ کا جنازہ اس نے قربان کیا۔ اور دوسرا اس کو آخر میں پٹھوں کا کینسر ہوا ہے۔ اتنا دوڑا ہے وہ، اس نے ان پٹھوں کو اتنا تھکایا ہے کہ پٹھا قربان ہوا تو اس کو کینسر ہو گیا۔ تب کہیں جا کر عالمی سطح کے منظر پر آیا ہے۔ تو کیا ہم نے حق کے لیے ایسی قربانی دی ہے؟ تو جو جتنا نفس پر جبر کرتا ہے، وہ اس چیز میں اتنا ہی آگے بڑھتا ہے۔

ساری دنیا کی نگاہوں سے گرا ہے مجذوبؔ
تب کہیں جا کے تیرے دل میں جگہ پائی ہے

ایک مرید کے سوال کا جواب : ''دین کی راہ میں اپنے اُوپر جبر کرنا تو منافقت کے زمرے میں آتا ہے''۔ ڈاکٹر صاحب نے پوچھا وہ کیسے؟ تو برخوردار نے وضاحت کی ''یعنی دل نہ چاہتا ہو اور پھر بھی بامرِ مجبوری کرے یعنی اگر گھر والے دین دار ہوں اور اس شخص کا اپنا دل نہ چاہتا ہو یا پھر کوئی مفاد کہیں سے حاصل ہوتا ہو یا خطرات سے بچنے کا ذریعہ ہو۔'' فرمایا کہ اگر مفاد حاصل کرنے کے لیے دین پر عمل کرے یا خطرات سے بچنے کے لیے تو یہ اس کے باطن کی اور شخصیت کی کمزوری ہے۔ لیکن ہم تو اس بات کو جبر کہہ رہے ہیں کہ میں اس کو کرتے کرتے تھک گیا پھر بھی اپنے نفس کو اس پر چلا رہا ہوں۔ جیسے طالب علم نے رات کو ۸ سے ۹ بجے تک پڑھا، ۱۰ یا ۱۱ بجے تک پڑھا، ۱۲ بجے تک پڑھا... تھک گیا۔ اب چائے پی رہا ہے، اُٹھ رہا ہے پانی پی رہا ہے، نہا کر پھر بیٹھ رہا ہے کیونکہ اس نے پوزیشن لینی ہے اس لیے اپنے آپ کو تھکا رہا ہے۔ تو جس مجاہدے کو میں بیان

کررہاہوں وہ یہ ہےاور جس بات کوآپ کہہ رہے ہیں وہ تو ایک شخصیت کی کمزوری ہے کہ آدمی حق کو حق کے لیےنہیں کررہا بلکہ اس کو مفادات کے لیے کررہا ہے۔تو شخصیت کی کمزوری جدا پہلو ہے۔جبکہ اپنے آپ کو مجاہدے میں ڈالنا عین اجروثواب ہے۔یہ تو عین ہمت کا کام ہے کہ لقمانِ حکیم نے اپنے بیٹے سے کہا:

یٰبُنَیَّ اَقِمِ الصَّلٰوۃَ وَ اْمُرْ بِالْمَعْرُوْفِ وَ انْہَ عَنِ الْمُنْکَرِ وَاصْبِرْ عَلٰی مَآ اَصَابَکَ ط اِنَّ ذٰلِکَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ (سورہ لقمان۔۱۷)

ترجمہ: ''کہ اے بیٹے نماز کو قائم کرو، نیک بات کا حکم دو، بُری بات سے روکو اور جو تکالیف آئیں ان پر صبر کرو بے شک یہ جوان مردی کے کام ہیں۔''

ہم دُنیا کے لئے اپنے آپ کو تھکاتے ہیں: فرمایا کہ ابو مسلم خولانی رحمتہ اللہ علیہ اپنے پاؤں پر کوڑے مارا کرتے تھے۔احیاء العلوم میں بہت سے ایسے واقعات لکھے ہوئے ہیں کہ بعض اولیاء اللہ رات کو نماز پڑھتے تھے اور اس قدر تھک جاتے تھے کہ آخر میں چارپائی تک چل نہیں سکتے تھے اور اپنے آپ کو گھسیٹ کر چارپائی پر پہنچاتے تھے اور گرتے تھے۔صوفیاء کے ایسے واقعات آئے ہوئے ہیں اور ہم دُنیا کے لیے تھکتے ہیں یعنی صبح سے لیکر ۲ بجے تک ہمارے سرجن آپریشن کرتے ہیں پھر جاتے ہیں، پتہ نہیں کھانا، لیٹنا اور نماز پڑھنا نصیب ہوتا ہے یا نہیں پھر ۴ بجے جاکر دوبارہ کلینک میں بیٹھتے ہیں پھر وہاں سے رات ۱۰ بجے اور کوئی ۱۲ بجے واپس آتے ہیں اور پھر صبح ۷ ساڑھے سات بجے راؤنڈ پر کھڑا ہونا ہوتا ہے۔تو آدمی جب تھوڑا عرصہ جبر کر کے کام کرتا ہے،تو پھر نفس مطیع ہو جاتا ہے۔ٹائپ کرنے والا پہلے الفاظ کو اُنگلیوں پر تقسیم کر کے سیکھتا ہے۔پھر ایک لفظ پر اُنگلی مارتا ہے اور کبھی اُنگلی دوسرے لفظ پر جاکر پڑتی ہے، تکلیف ہوتی ہے۔پھر اُس کو مجبور کرتا ہے، جبر کرتا ہے یہاں تک کہ کرتے کرتے کچھ عرصہ کے بعد پھر اُس کو مزہ بھی آتا ہے اور دوسری طرف دیکھ کر پڑھ رہا ہوتا ہے اور اِدھر بغیر دیکھے ٹائپ کررہا ہوتا ہے۔اور اب سب کچھ بلا تکلیف کے ہورہا ہے کیونکہ جبر کا دور گزر گیا، اب سہولت کا دور آگیا۔نفس کو مجاہدہ میں تو ڈالنا پڑے گا، کوشش تو کرنی پڑے گی تب کہیں جاکے کام بنے گا۔

(جاری ہے)

قرآنی آیات پر صحابہؓ کا عمل

(انتخاب از آفتابِ ہدایت کے ۳۱۳ روشن ستارے)

حضرت ثابت بن قیس الانصاریؓ کا انداز خطیبانہ تھا، آواز اونچی تھی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں بھی ان کی آواز بے اختیار اونچی ہو جاتی تھی۔ اس لئے جب اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو اپنی آوازیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز سے پست کرنے کا حکم دیا، خلاف ورزی پر عمل باطل ہونے کی وعید سنائی تو یہ اپنے گھر کا دروازہ بند کر کے بیٹھ گئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں آنا چھوڑ دیا۔ مگر یہ کوئی معمولی شخص نہ تھے کہ غائب ہو جائیں تو کسی کو خبر نہ ہو۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس کے حاضر باش صحابہؓ میں سے تھے۔ اپنی قوم کی سردار تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو غائب پایا تو تحقیق فرمائی۔ ایک شخص نے ان کا پیچھا کیا تو معلوم ہوا کہ سہمے ہوئے گھر میں دبکے بیٹھے ہیں کہ مبادا ان کی آواز حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز سے اونچی ہو جائے اور ان کا عمل باطل اور برباد ہو جائے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو بلا کر تسلی دی کہ تم ان میں سے نہیں ہو۔ مزید فرمایا، "تم خیریت کے ساتھ زندہ رہو گے اور خیریت سے مرو گے۔" یہ واقعہ اس کا نمونہ ہے کہ صحابہؓ میں سے ہر ایک ہر آیت پر عمل کا جذبہ رکھتا تھا۔ جب حضرت ثابت بن قیسؓ نے دیکھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں حاضر ہو کر اس آیت پر عمل کرنا دشوار ہے تو مجلس میں حاضر ہونا چھوڑ دیا۔ اگر چہ مجلس کی

حاضری ان کو پسند تھی۔

حضرت ثابت بن قیسؓ کے ساتھ اس کے بعد بھی اس قسم کا معاملہ پیش آیا جس سے ان کی زندگی میں اطاعت خداوندی کا جو جذبہ موجزن تھا وہ نمایاں ہو گیا۔ وہ اس وقت پیش آیا جب قرآن کریم کی آیت

"اِنَّ اللّٰہَ لَا یُحِبُّ کُلَّ مُخْتَالٍ فَخُوْرٍ" (لقمان:۱۸) کہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ کسی ایسے آدمی کو پسند نہیں کرتا جو اترانے والا اور بہت فخر کرنے والا ہو۔

جب یہ آیت نازل ہوئی تو حضرت ثابت بن قیسؓ گھر میں گوشہ نشین ہو گئے اور رونا شروع کر دیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جب ان کو اپنی مجلس سے غائب پایا تو ان کی خبر گیری کے لیے ایک شخص کو بھیجا۔ اس وقت انھوں نے عرض کیا،'' **یا رسول اللہ! انی احب الجمال و احب ان اسود قومی** ۔'' کہ میں خوبصورتی کو پسند کرتا ہوں اور اس بات کو پسند کرتا ہوں کہ اپنی قوم کی سرداری کروں۔'' (جبکہ آیت میں وعید آئی ہے)۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

" لست منھم بل تعیش حمیدا و تقتل شھیدا و تدخل الجنة."

کہ تم ان میں سے نہیں ہو بلکہ تم اس طرح زندگی گزارو گے کہ لوگ تمھاری تعریف کریں گے، شہادت کی موت مرو گے اور جنت میں داخل ہو گے۔

زبان رسالت سے نکلی ہوئی باتیں کس قدر بہترین انداز میں پوری ہوئیں کہ اللہ تعالیٰ نے انھیں زندگی میں خطیب رسول، سردار قوم، کاتب وحی ہونے کا اعزاز عطا فرمایا اور صحابہؓ میں بہترین مقام حاصل ہوا۔ ان باتوں کی بدولت نہ یہ کہ مسلم و غیر مسلم ان کی تعریف میں رطب اللسان رہے بلکہ سردار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی تعریف ان الفاظ میں فرمائی کہ ثابت بن قیس بن شماسؓ بہترین آدمی ہیں۔

اور شہادت کی موت اس طرح نصیب ہوئی کہ یہ غزوہ احد سے مسلسل شریک جہاد ہوتے رہے اور داد شجاعت دیتے رہے مگر ان کی شہادت جنگ یمامہ جو مسیلمہ کذاب کے خلاف تھی اسی میں مقدر تھی۔ اس جنگ میں یہ شامل ہوئے۔ ابتداء میں دشمن کے حملے اتنے شدید تھے کہ مسلمانوں کو تین مرتبہ پیچھے ہٹنے پر مجبور ہونا پڑا۔ جب انھوں نے اور ان کے ساتھی حضرت سالمؓ نے جنگ کا یہ نقشہ دیکھا تو کہا ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اس طرح تو نہیں لڑا کرتے تھے۔ پھر ان دونوں نے گڑھے کھودے اور ان میں ڈٹ کر کھڑے ہو گئے تا کہ وہاں سے پیچھے ہٹنے کا کوئی امکان باقی نہ رہے۔ جب تک دم میں دم باقی رہا یہ دونوں حضرات انہی گڑھوں میں ڈٹے لڑتے رہے یہاں تک کہ انہی

گڑھوں میں جان جانِ آفریں کے سپرد کردی۔

اور انشاء اللہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تیسری بات کہ ''اللہ تعالیٰ تجھے جنت میں داخل کرے گا'' بھی ضرور پوری ہوگی۔

فرشتوں کا محاصرہ: ایک رات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گھر سے باہر تشریف لے گئے۔ ایک مکان تک پہنچے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا کہ اسے فرشتوں نے گھیر رکھا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اندر گئے تو ایک نور اوپر کو جاتا ہوا نظر آیا، ایک آدمی نماز پڑھ رہا تھا اور اس کے منہ سے آسمان تک نور بلند ہو رہا تھا۔ اس نے نماز مختصر کردی۔ فارغ ہوا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے پوچھا تم کون ہو؟ کہا: حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) فلاں کے بیٹوں کا غلام ہوں۔ پوچھا نام کیا ہے؟ عرض کیا: یسار۔ پوچھا کیا کام کرتے ہو؟ جواب دیا: حضور (صلی اللہ علیہ وسلم)! موزے تیار کرتا ہوں۔ (اسی لیے خفاف کہلاتے تھے۔ یہ لفظ خف سے بنا ہے اور اس کے معنیٰ ہے موزے بنانے والا)۔
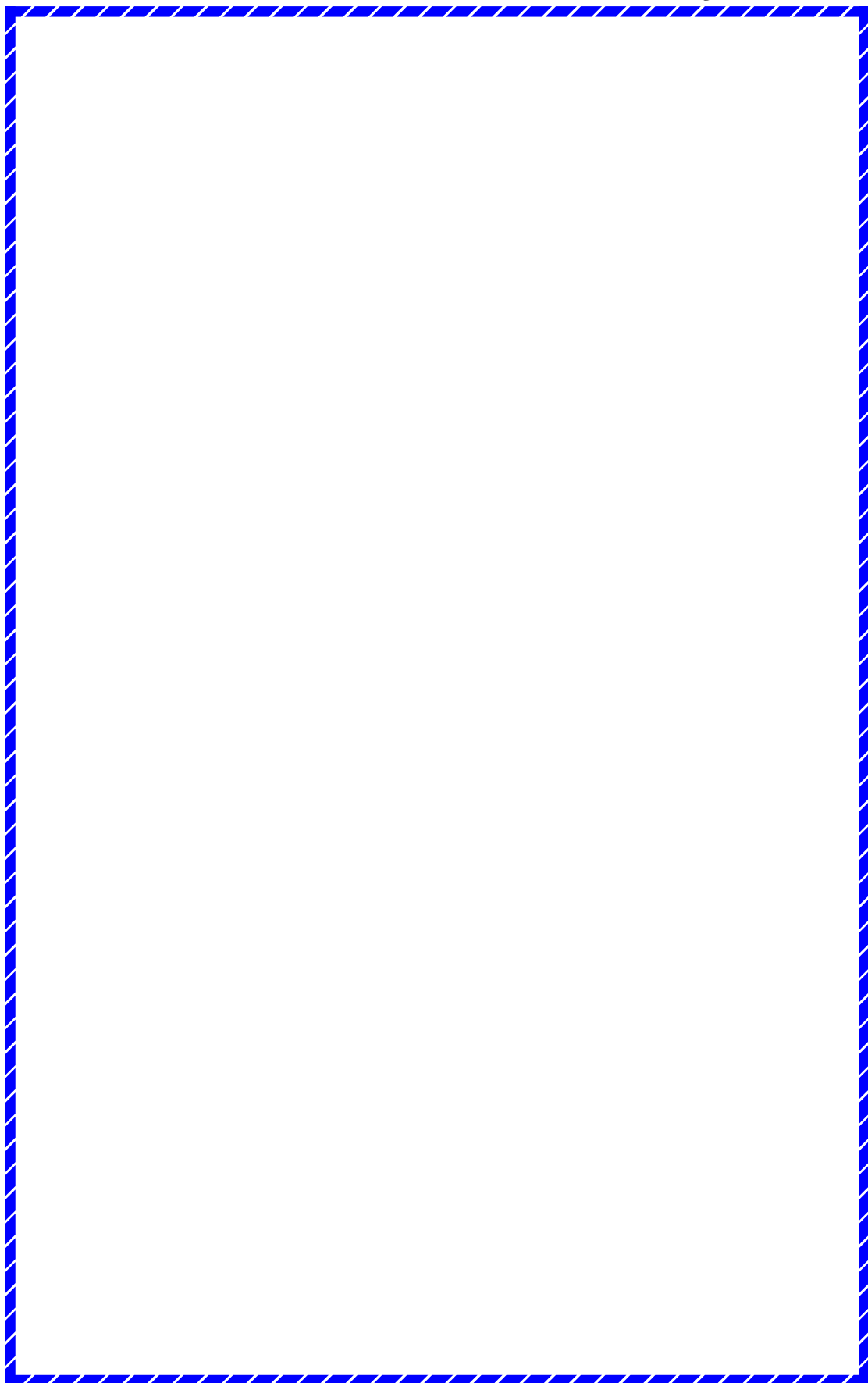
صبح ہوئی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے مالکوں سے اس کے بارے میں دریافت کیا، انھوں نے کہا: حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ پوچھ کر کیا کریں گے؟ فرمایا: میں اسے خرید کر آزاد کردوں گا۔ وہ بولے: حضور (صلی اللہ علیہ وسلم)! حضرت یسار خفافؓ کے آزاد کرنے کا ثواب ہم نہ کمالیں؟ فرمایا: بیشک تم کمالو۔ چنانچہ انھوں نے حضرت یسار خفافؓ کو آزاد کردیا۔

پھر ایک رات حضور صلی اللہ علیہ وسلم باہر نکلے اور اس مکان تک تشریف لے گئے تو وہ فرشتے نظر نہ آئے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم دروازہ کھول کر اندر گئے تو وہ شخص سجدے کی حالت میں تھا اور اللہ تعالیٰ کو پیارا ہو چکا تھا۔ اتنے میں جبرائیل علیہ السلام وہاں آگئے۔ انھوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا: ہم نے ان کو غسل دے دیا ہے۔ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کو غسل دینے کی ضرورت نہیں بس عمدہ کفن پہنا دیں۔
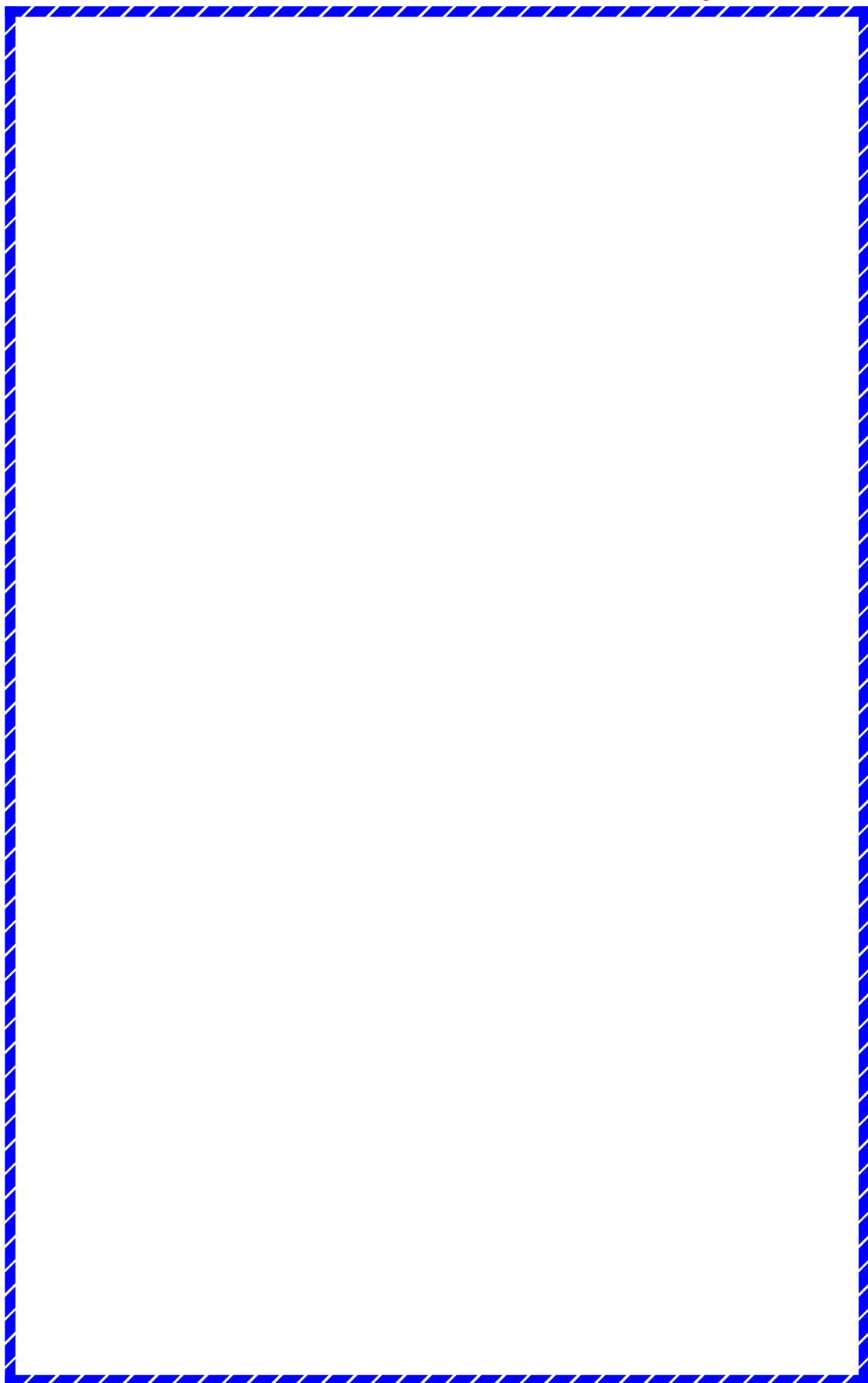
کیسا قابل رشک مقدر ہے اس شخص کا جس کا طائر روح عین حالت سجود میں قفس عنصری سے پرواز کر کے ملکوتی دنیا میں پہنچ گیا اور ملائکہ نے غسل دیا۔

(انتخاب: خالد محمود صاحب، راولپنڈی)
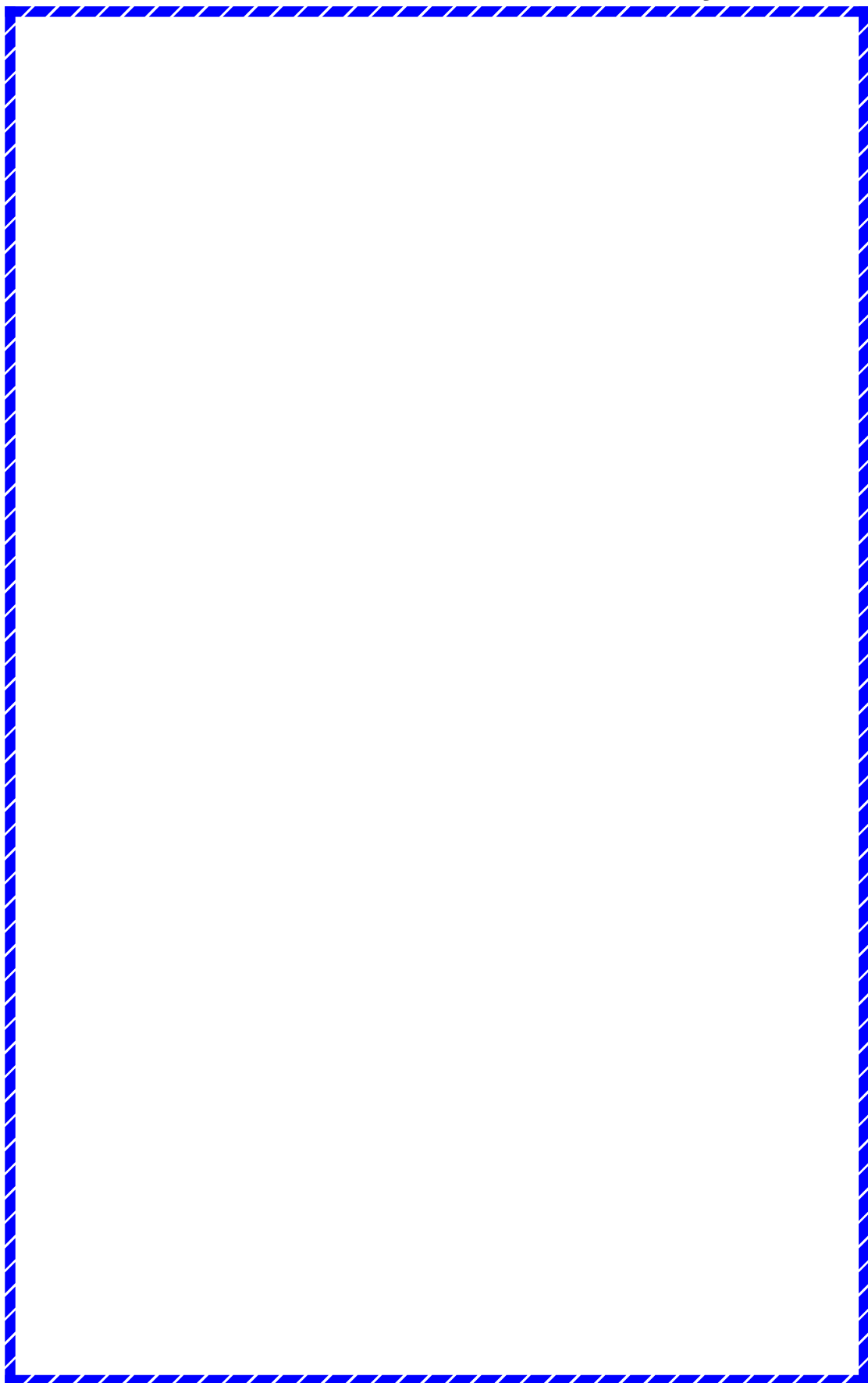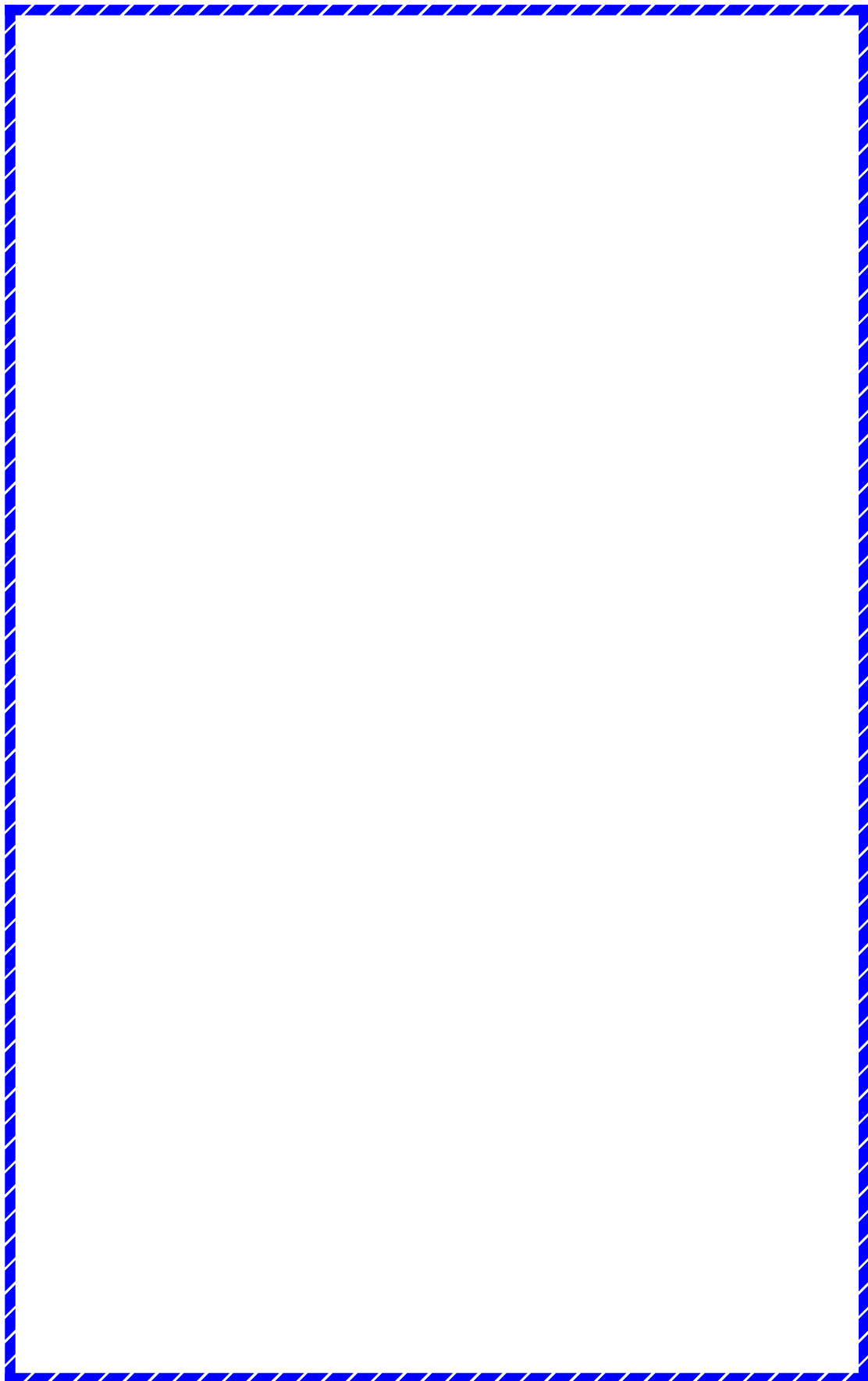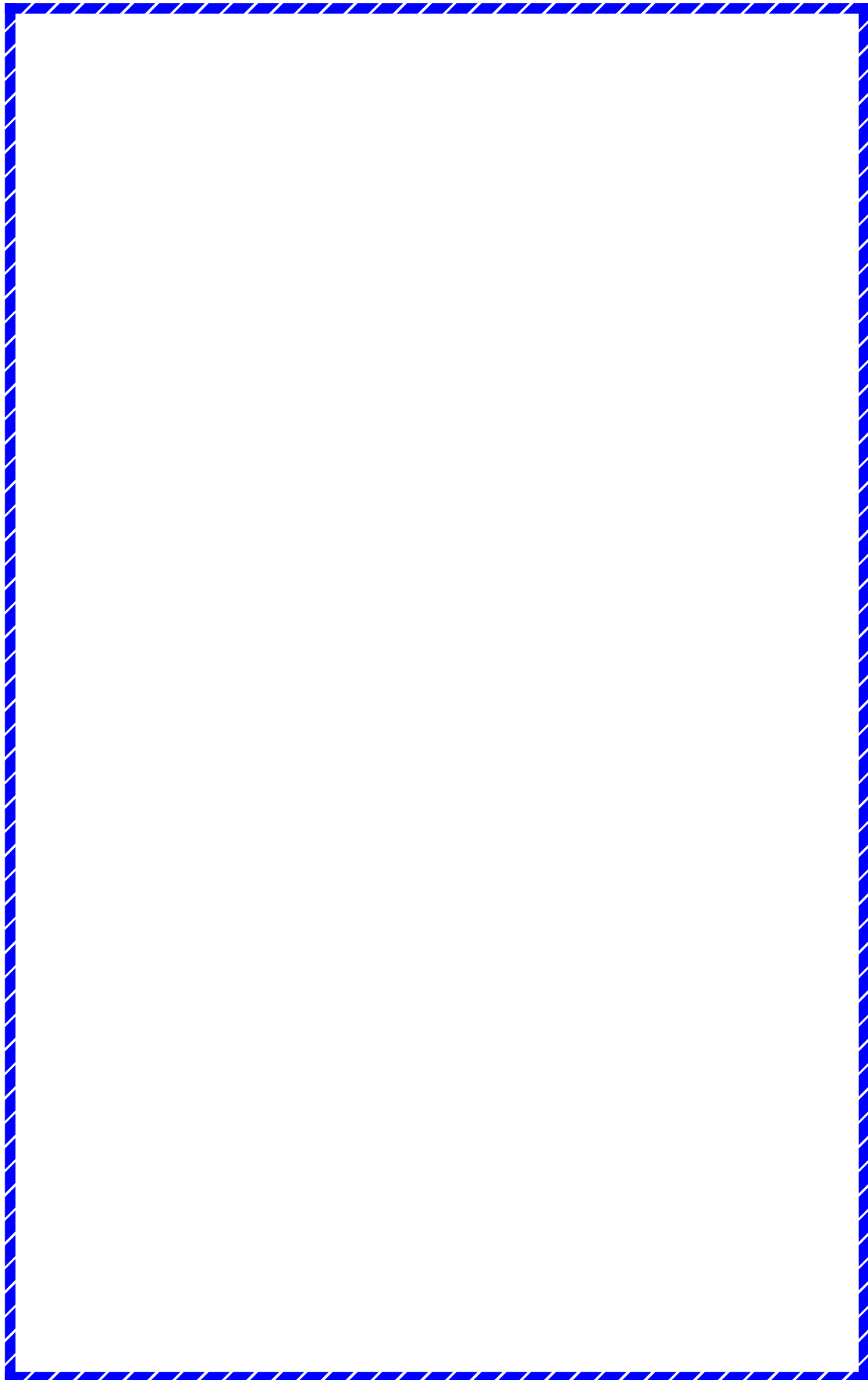
بسم الله الرحمن الرحیم

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِیْنَ اِذَا ذُکِرَ اللّٰہُ وَجِلَتْ قُلُوْبُھُمْ وَاِذَا تُلِیَتْ عَلَیْھِمْ اٰیٰتُہٗ زَادَتْھُمْ اِیْمَانًا۔

(سورہ الانفال۔۲)

ترجمہ: ایمان والے وہی ہیں کہ جب نام آئے اللہ کا تو ڈر جائیں اُن کے دل اور جب پڑھا

جائے ان پر اس کا کلام تو زیادہ ہو جاتا ہے اُن کا ایمان۔

ثُمَّ تَلِيْنُ جُلُوْدُهُمْ وَ قُلُوْبُهُمْ اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ ط

(سورہ الزمر۔۲۳)

ترجمہ: پھر نرم ہوتی ہیں اُن کی کھالیں اور اُن کے دل اللہ کی یاد پر۔

نام ان کا اور جاں کے ساز پر ہر رگِ جان سازِ الا اللہ ہے
نام لیتے ہی نشہ سا چھا گیا ذکر میں تاثیر دورِ جام ہے

(حضرت سید سلیمان ندویؒ)

ایسا بیدار ذکر جو قلب قالب، بال کھال، سوچ خیال، روح دماغ پر چھا جائے اور آدمی کو دائمی یہ احساس دلا دے کہ اللہ حاضر ہے، مجھے دیکھ رہا ہے، میرے ساتھ ہے۔ یہ چیز اہل تصوف کی تربیت کا خاصہ ہے۔ اس کی پوری ترتیب ہے۔ اس کو سیکھنا پڑتا ہے اور ایک عرصہ تک جم کر مجاہدہ کر کے اس کو حاصل کرنا ہوتا ہے۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ٥

یَا مُصَوِّرُ یَا مُصَوِّرُ یَا مُصَوِّرُ وَ لَقَدۡ خَلَقۡنَا الۡاِنۡسَانَ مِنۡ سُلٰلَۃٍ مِّنۡ طِیۡنٍ ٥ ثُمَّ جَعَلۡنٰہُ نُطۡفَۃً فِیۡ قَرَارٍ مَّکِیۡنٍ ٥ ثُمَّ خَلَقۡنَا النُّطۡفَۃَ عَلَقَۃً فَخَلَقۡنَا الۡعَلَقَۃَ مُضۡغَۃً فَخَلَقۡنَا الۡمُضۡغَۃَ عِظٰمًا فَکَسَوۡنَا الۡعِظٰمَ لَحۡمًا ق ثُمَّ اَنۡشَاۡنٰہُ خَلۡقًا اٰخَرَ فَتَبٰرَکَ اللّٰہُ اَحۡسَنُ الۡخَالِقِیۡنَ ٥ رَبِّ ہَبۡ لِیۡ مِنَ الصّٰلِحِیۡنَ ٥ رَبِّ لَا تَذَرۡنِیۡ فَرۡدًا وَّ اَنۡتَ

خَیْرُالْوَارِثِیْن ٥ رَبِّ ھَبْ لِیْ مِنْ لَدُنْکَ ذُرِّیَۃً طَیِّبَۃً ط اِنَّکَ سَمِیْعُ الدُّعَاءِ ط یَھَبُ لِمَنْ یَّشَآءُ اِنٰثًاوَّیَھَبُ لِمَنْ یَّشَآءُ الذُّکُوْرًا ط اِلٰھِی بَحُرْمَتِ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمْ وَ اَھْلِ بَیْتِ الْعِظَّام.

بِسْمِ اللّٰہِ الْرَحْمٰنِ الْرَحِیْم٥

یَا مُصَوِّرُیَا مُصَوِّرُیَا مُصَوِّرُوَ لَقَدْ خَلَقْنَاالْاِنْسَانَ مِنْ سُلٰلَۃٍمِّنْ طِیْنٍ٥ثُمَّ جَعَلْنٰہُ نُطْفَۃً فِیْ قَرَارِمَکِیْنٍ٥ثُمَّ خَلَقْنَاالنُّطْفَۃَعَلَقَۃًفَخَلَقْنَاالْعَلَقَۃَمُضْغَۃً فَخَلَقْنَاالْمُضْغَۃَعِظٰمًافَکَسَوْنَاعِظٰمَ لَحْماً ق ثُمَّ اَنْشَئْنٰہُ خَلْقاً اٰخَرَفَتَبٰرَکَ اللّٰہُ اَحْسَنُ الْخَالِقِیْن ٥ رَبِّ ھَبْ لِیْ مِنَ الصَّالِحِیْن ٥ رَبِّ لَا تَذَرْنِیْ فَرْدًاوَّ اَنْتَ خَیْرُالْوَارِثِیْن ٥ رَبِّ ھَبْ لِیْ مِنْ لَدُنْکَ ذُرِّیَۃً طَیِّبَۃً ط اِنَّکَ سَمِیْعُ الدُّعَاءِ ط یَھَبُ لِمَنْ یَّشَآءُ اِنٰثًاوَّیَھَبُ لِمَنْ یَّشَآءُ الذُّکُوْرًا ط اِلٰھِی بَحُرْمَتِ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمْ وَ اَھْلِ بَیْتِ الْعِظَّام.

[نوٹ: بندہ کے متعلقین میں سے کچھ حضرات بندہ کے لیے سرمایۂ آخرت ہیں۔انہیں میں سے جناب شبیر احمد صاحب کاکاخیل اور مفتی شوکت صاحب بھی ہیں۔ ہر دو حضرات کو دین کے مختلف موضوعات کے بارے میں تحقیق کرنے کا انتہائی انہماک حاصل ہے۔اللہ تعالیٰ اس جذبے کو قبول فرمائے اور ان کی آخرت کی سرخروئی کا ذریعہ بنائے۔اوقات اسلامی کے بارے میں دونوں نے خوب عرق ریزی سے کام کیا اور اپنے اپنے مقالات اشاعت کے لیے رسالہ ''غزالی'' کو بھیجے۔یہ مقالے قسط وار شائع ہوتے رہیں گے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ان سے نفع حاصل کرنے کی توفیق دے۔آمین

[ڈاکٹر فدا محمد]
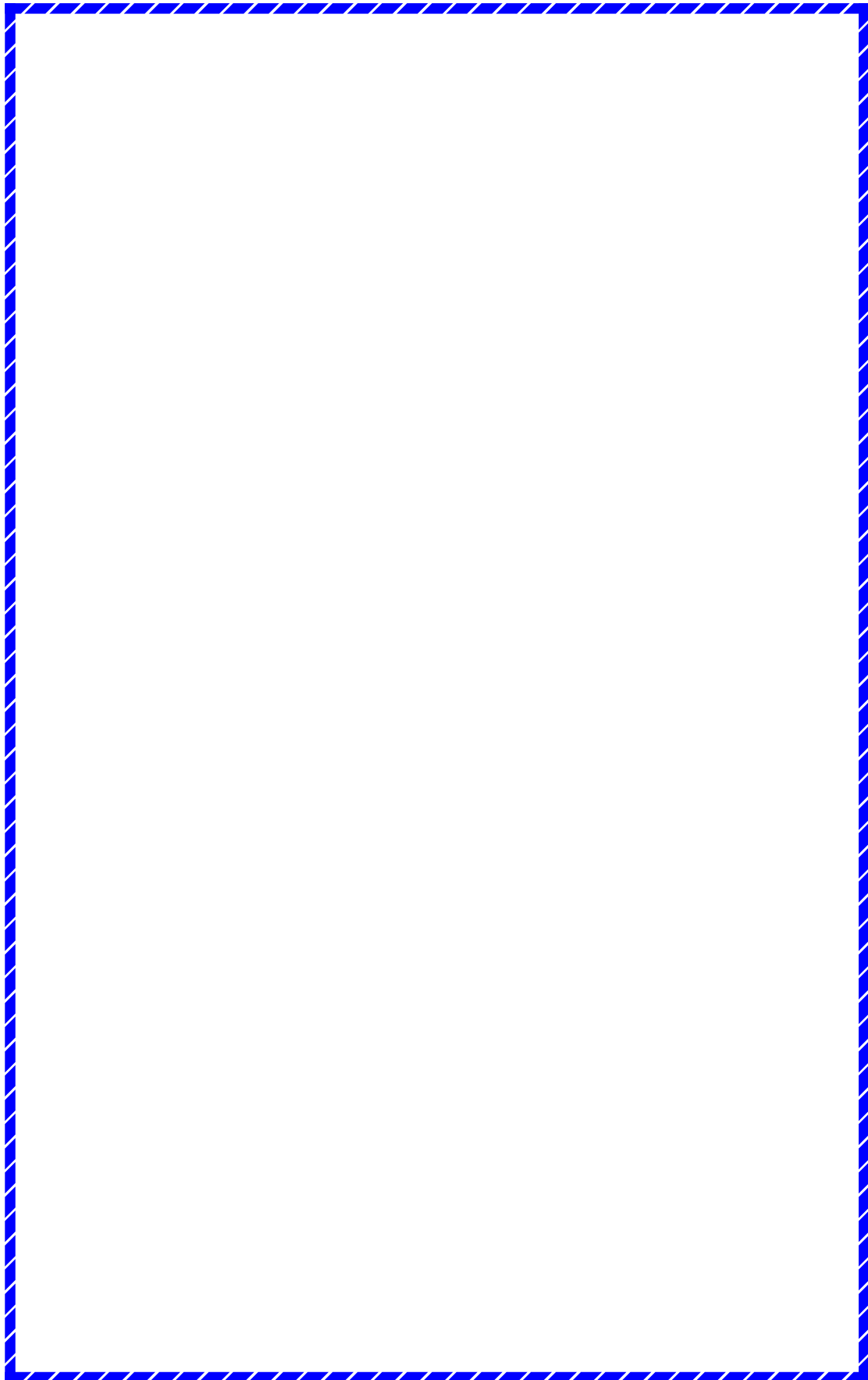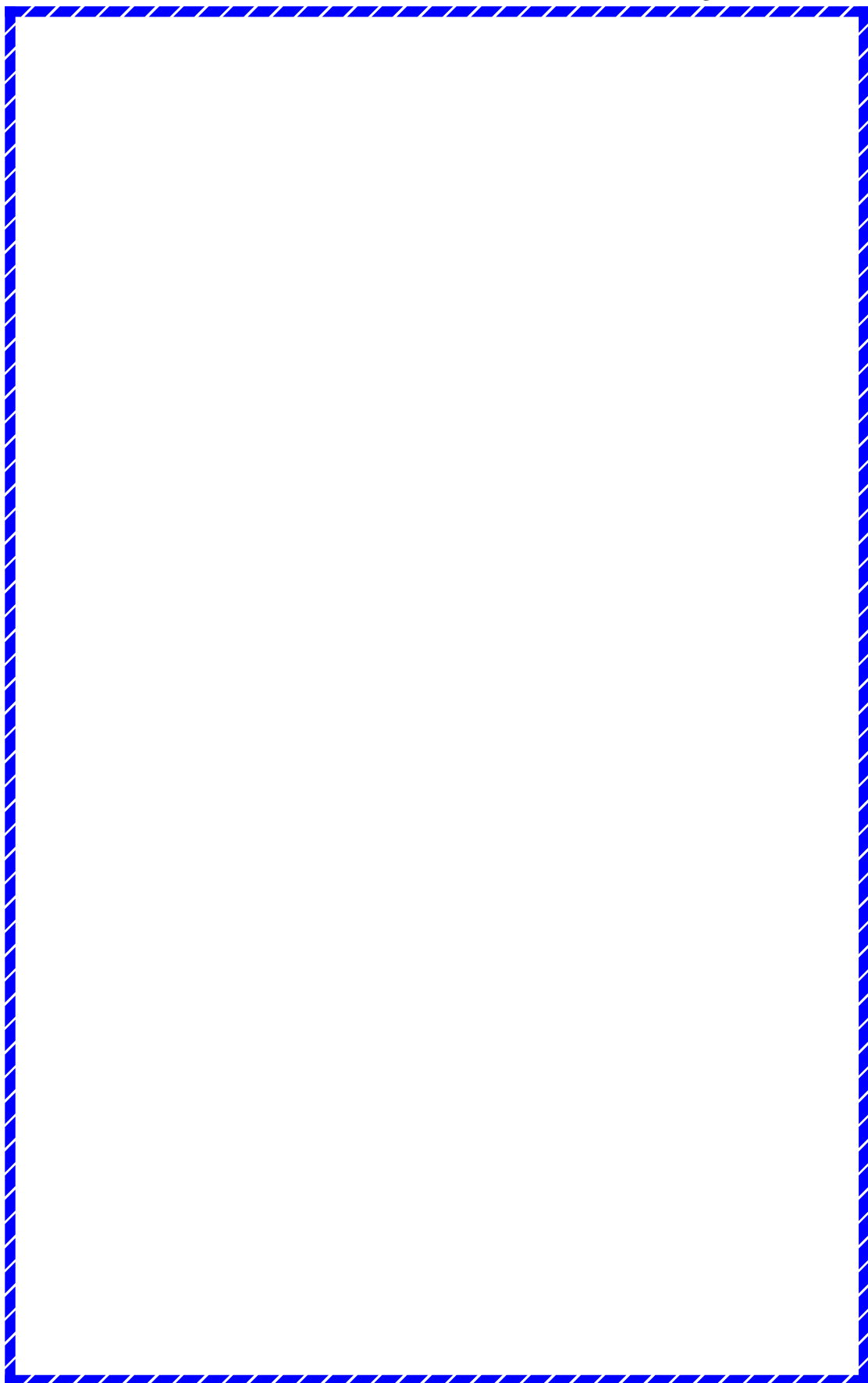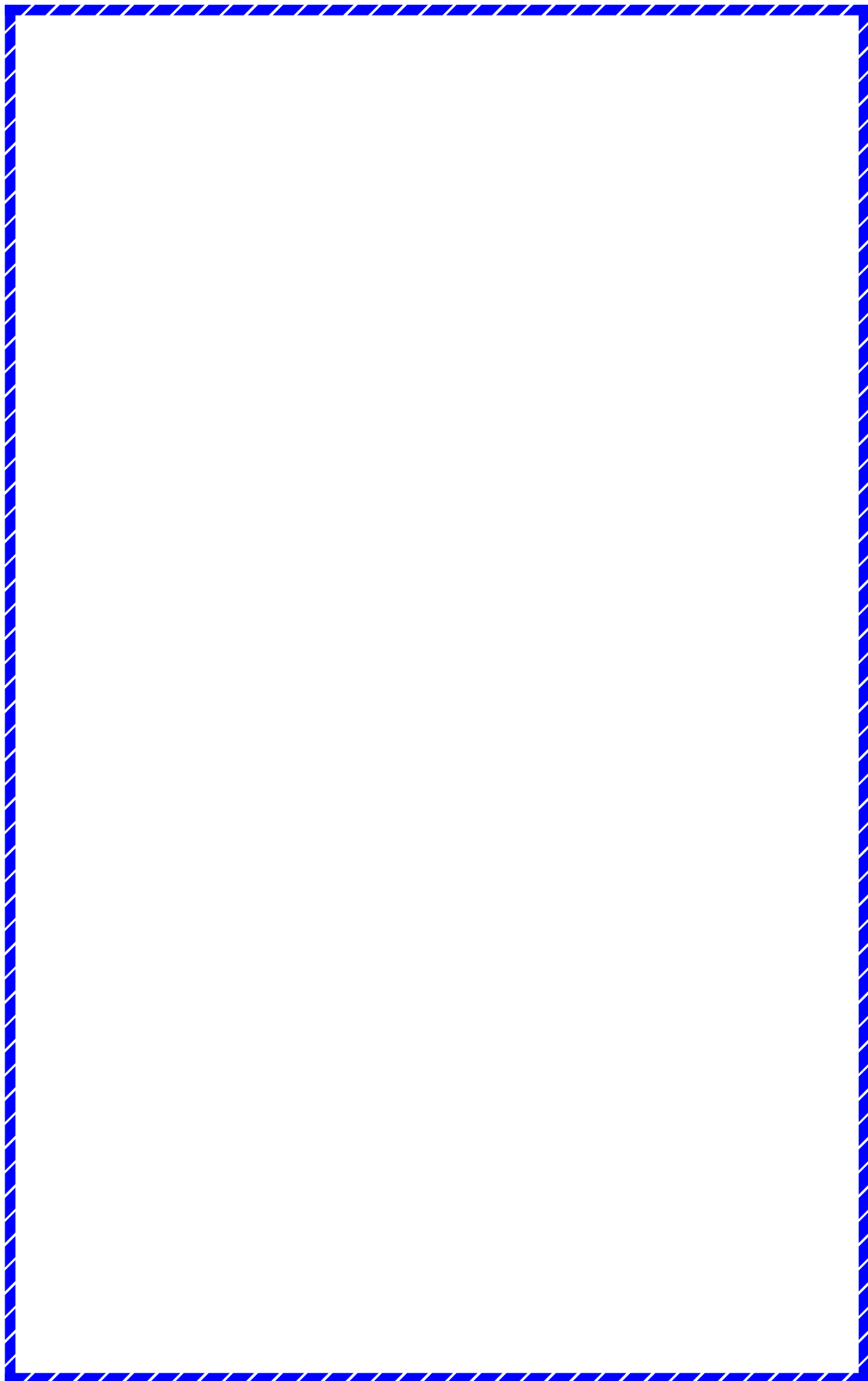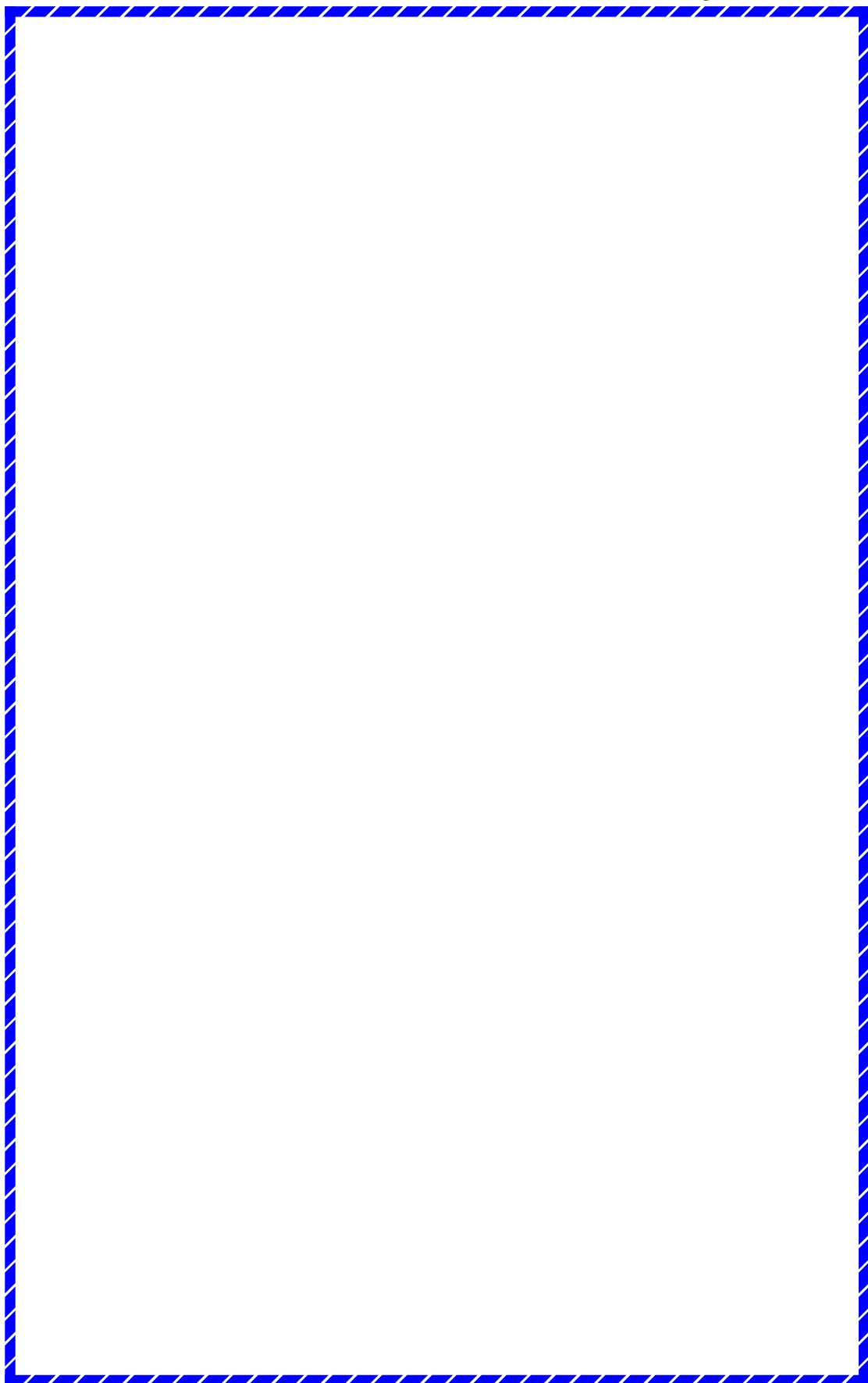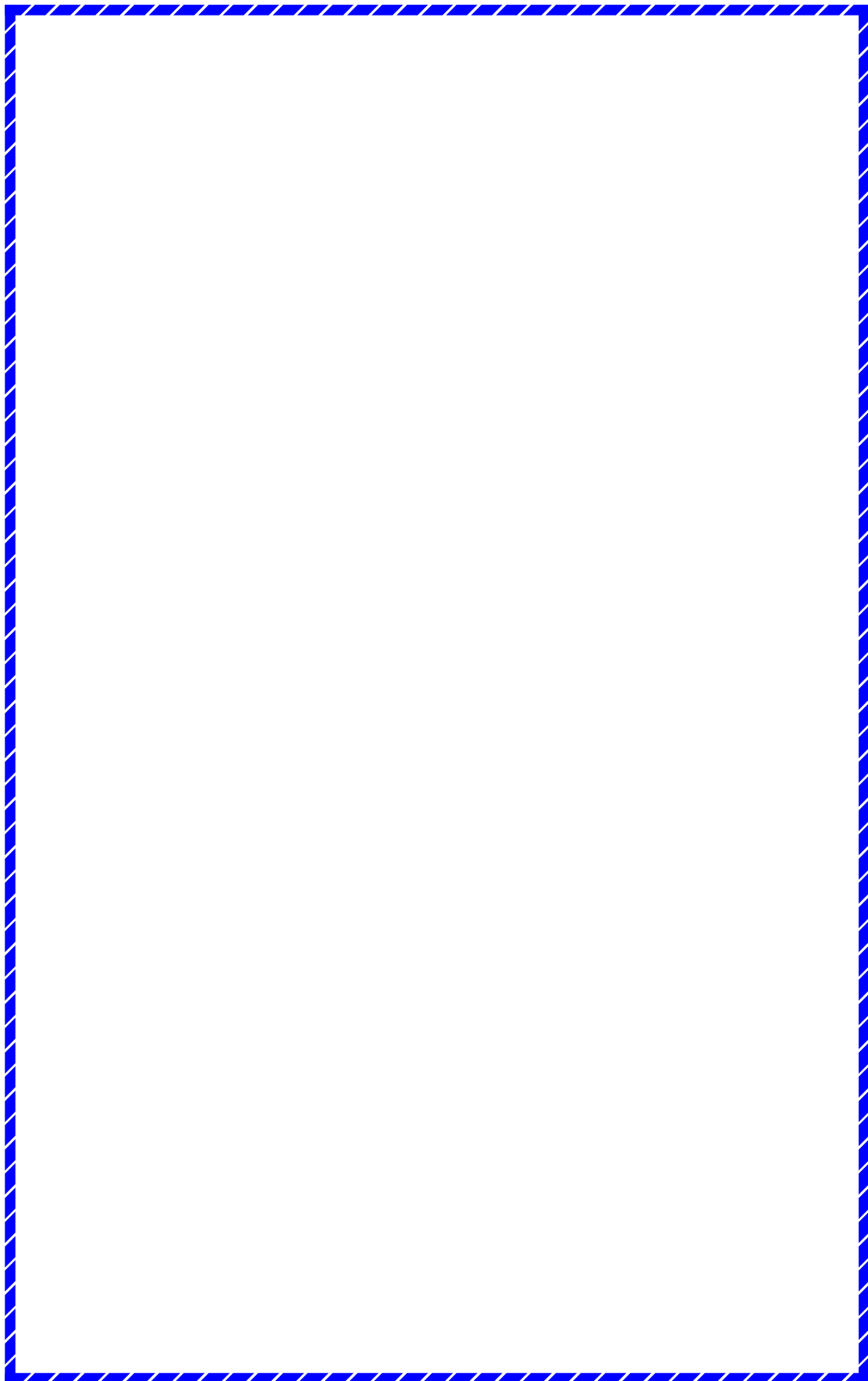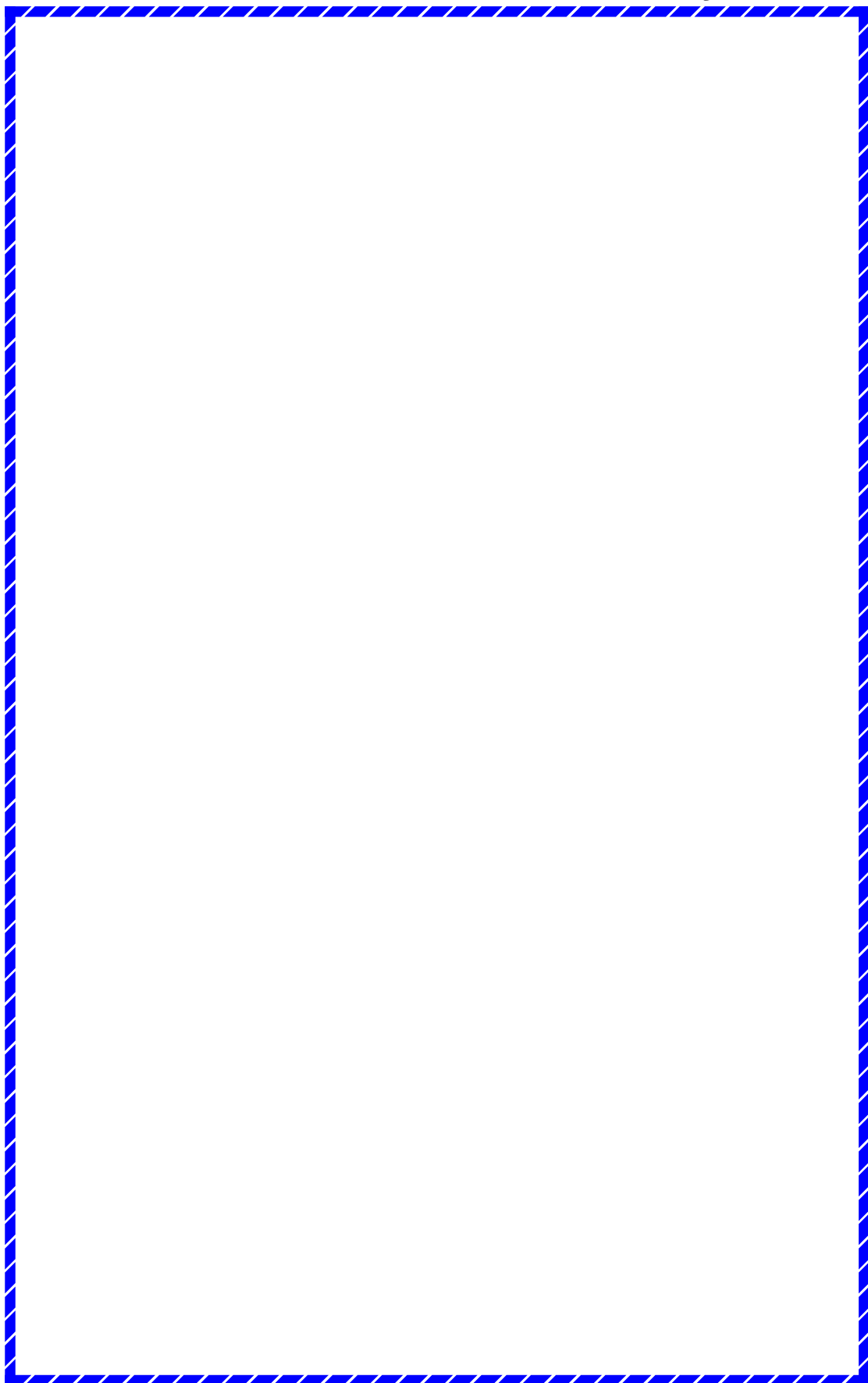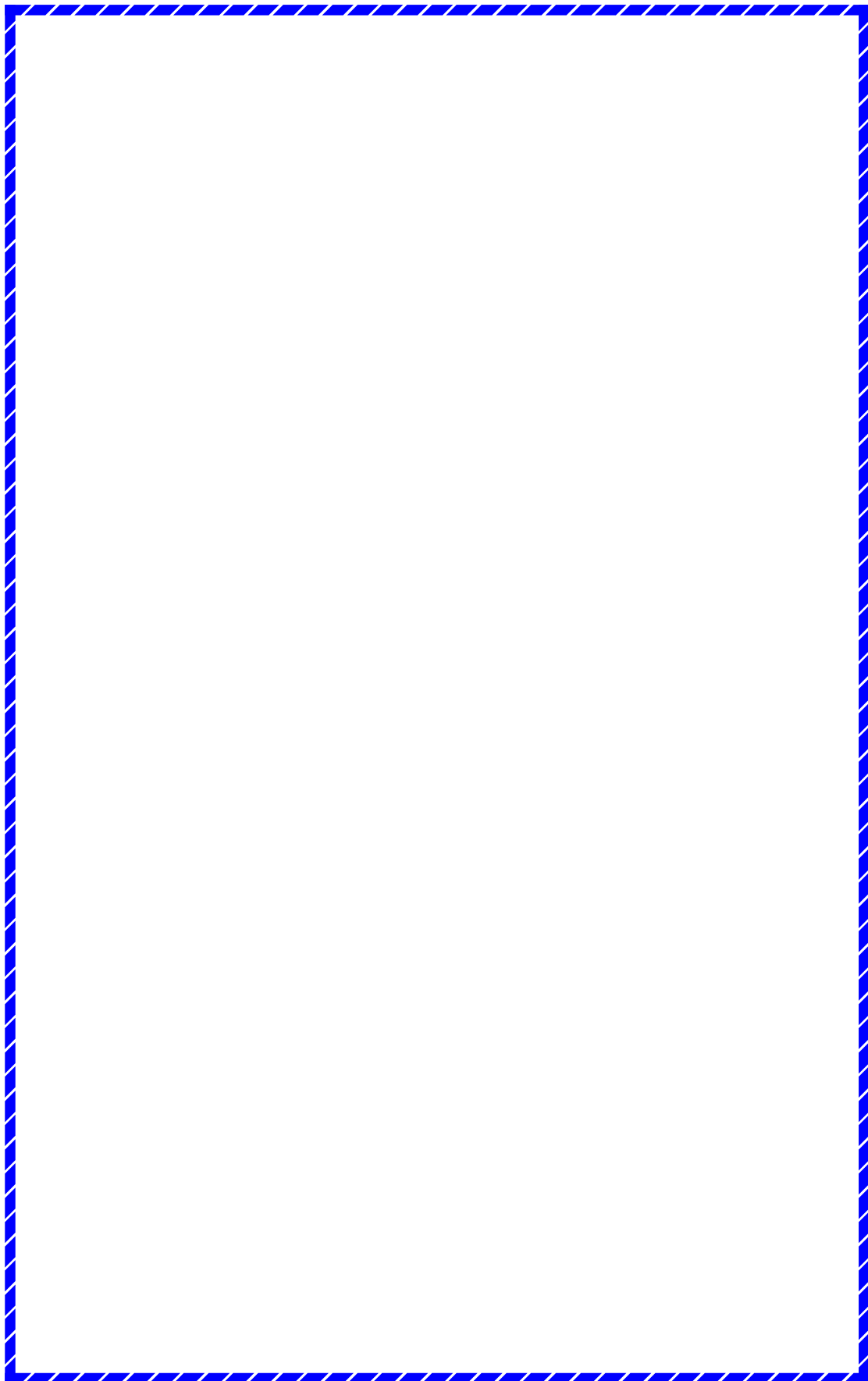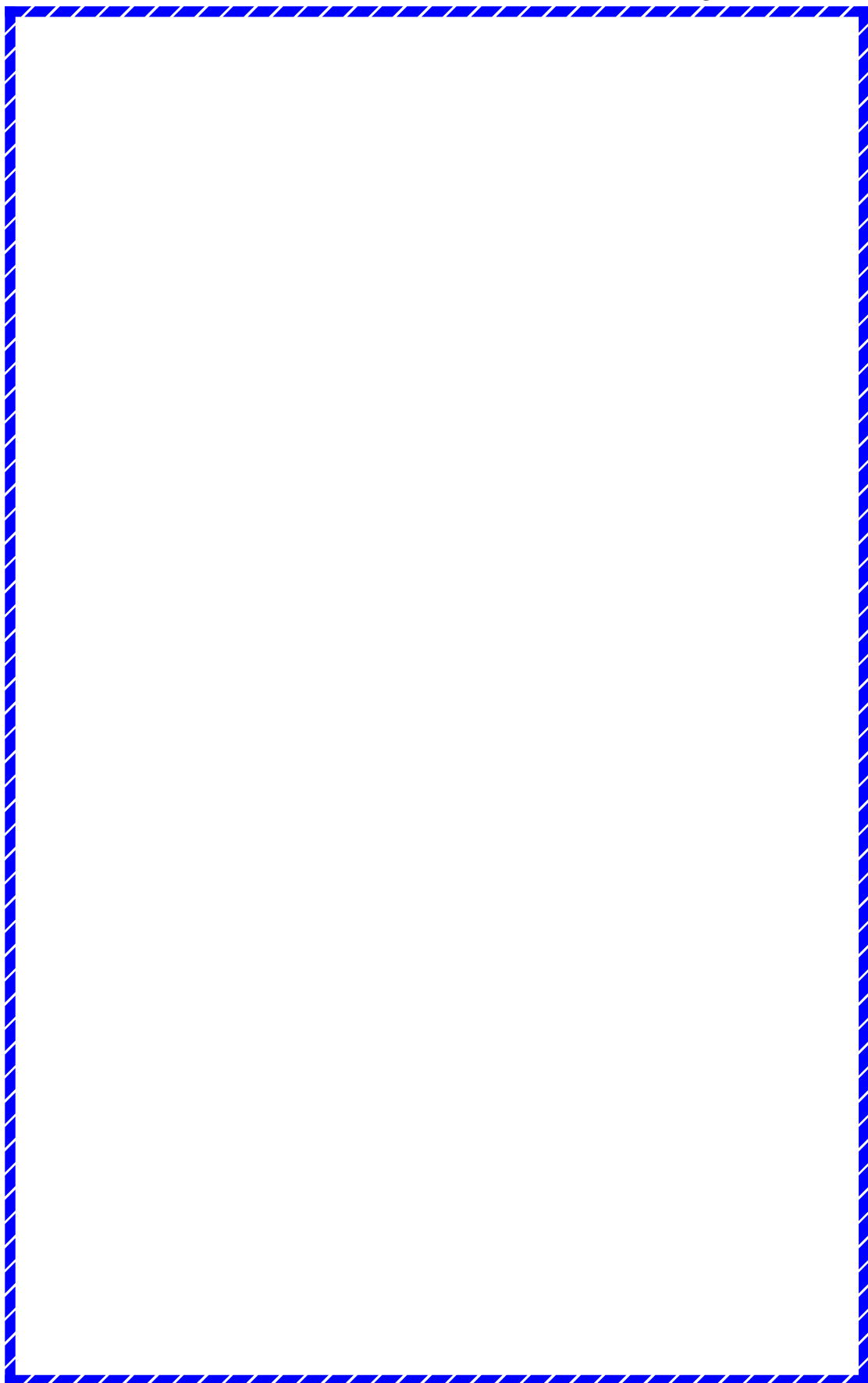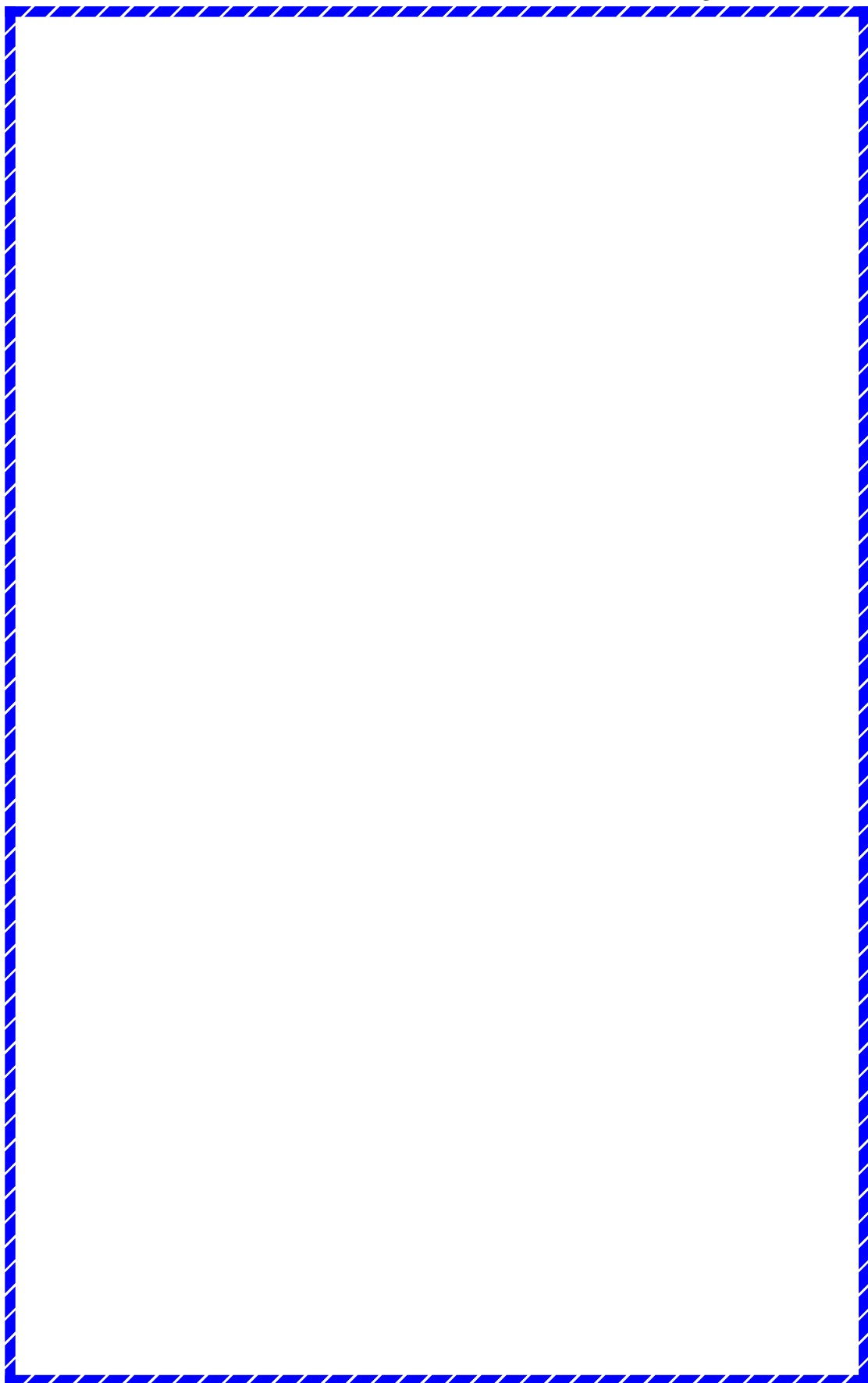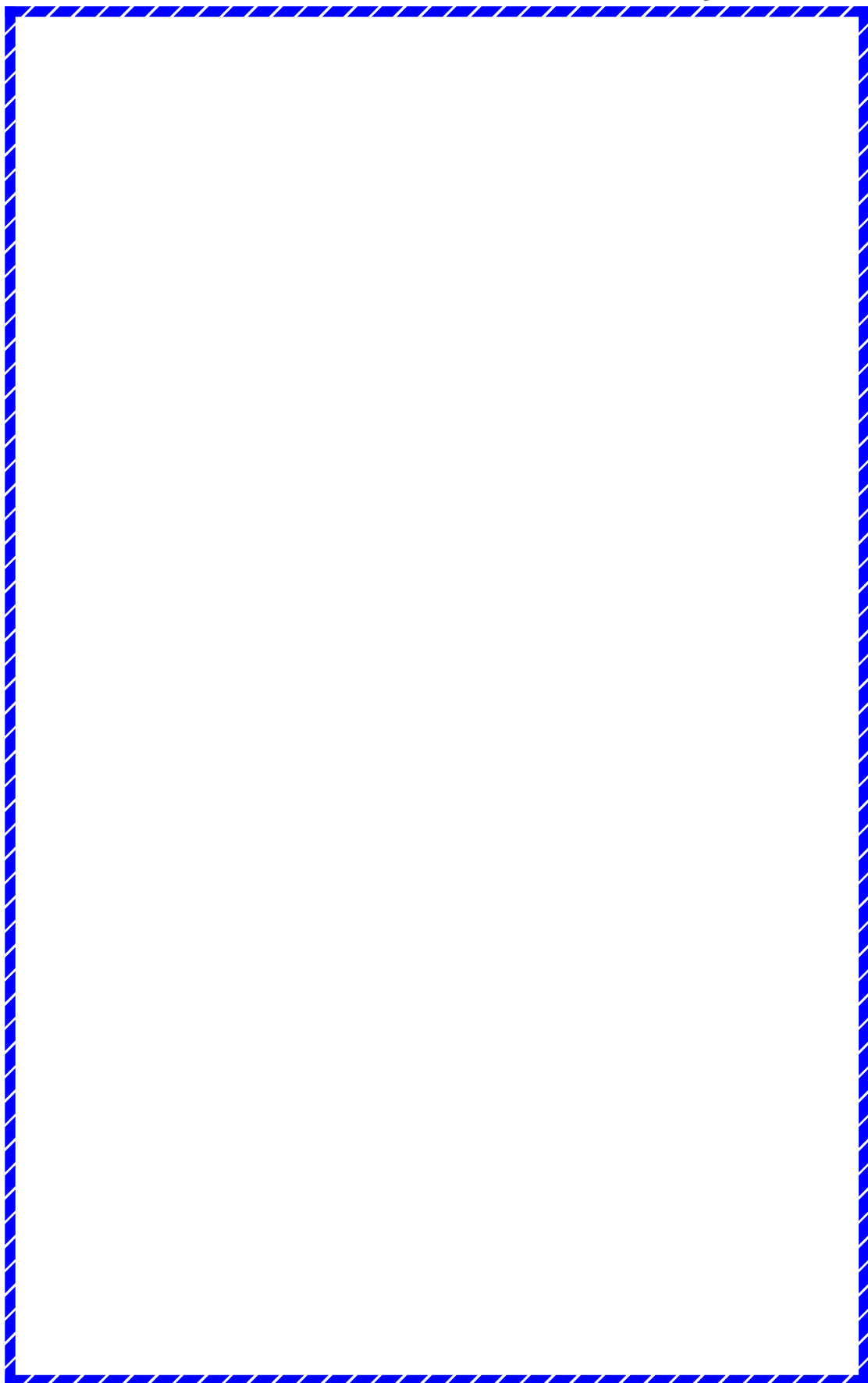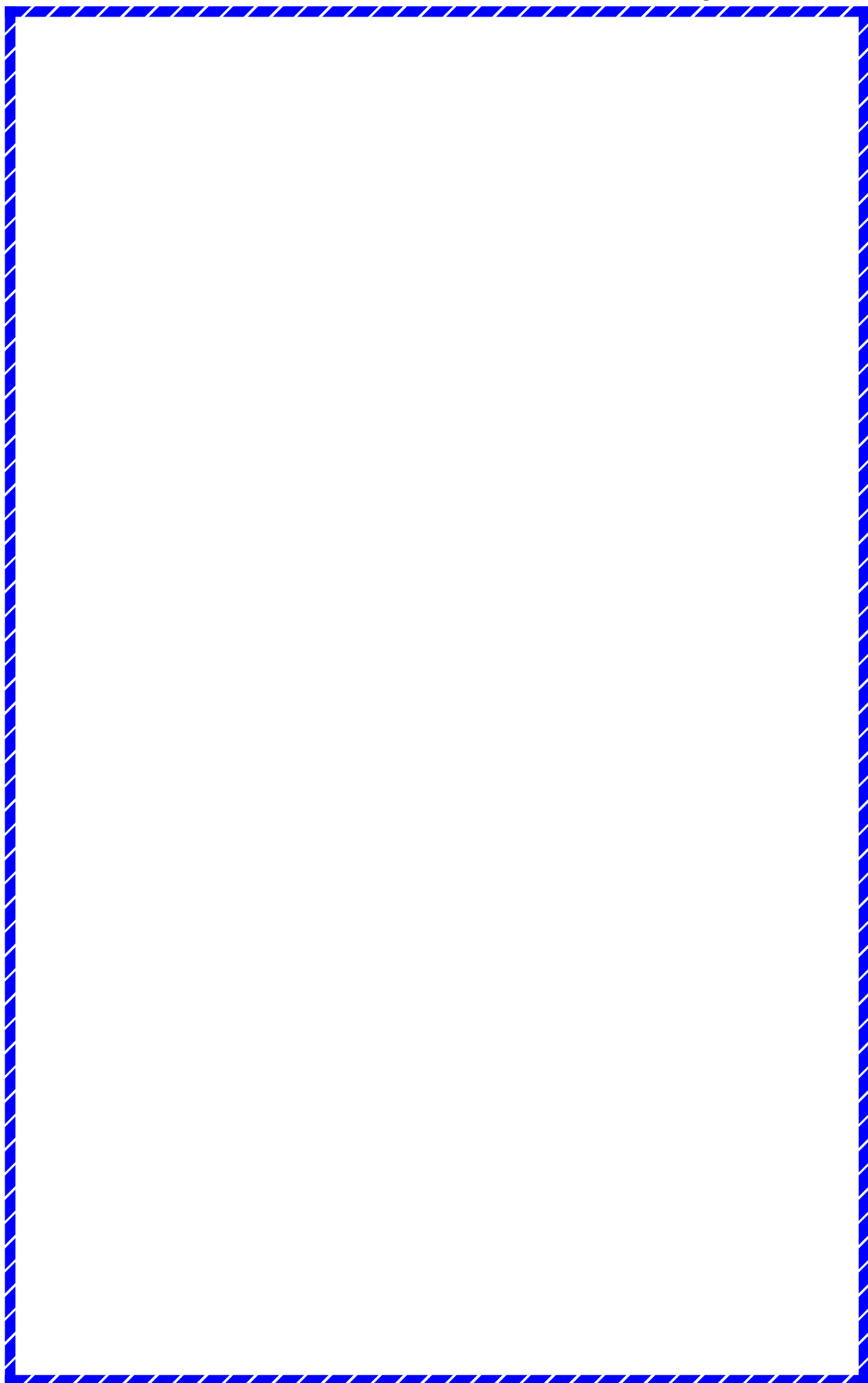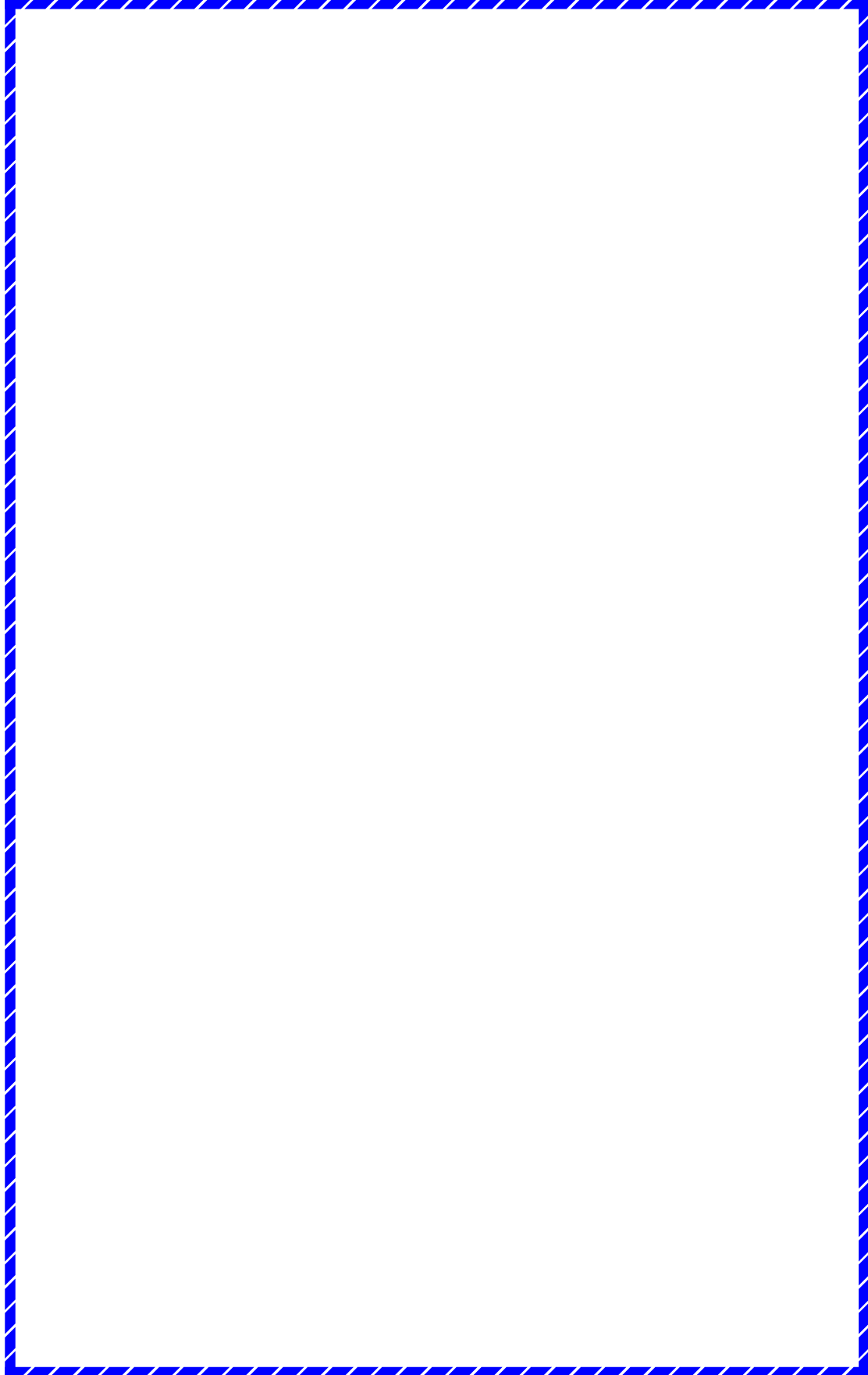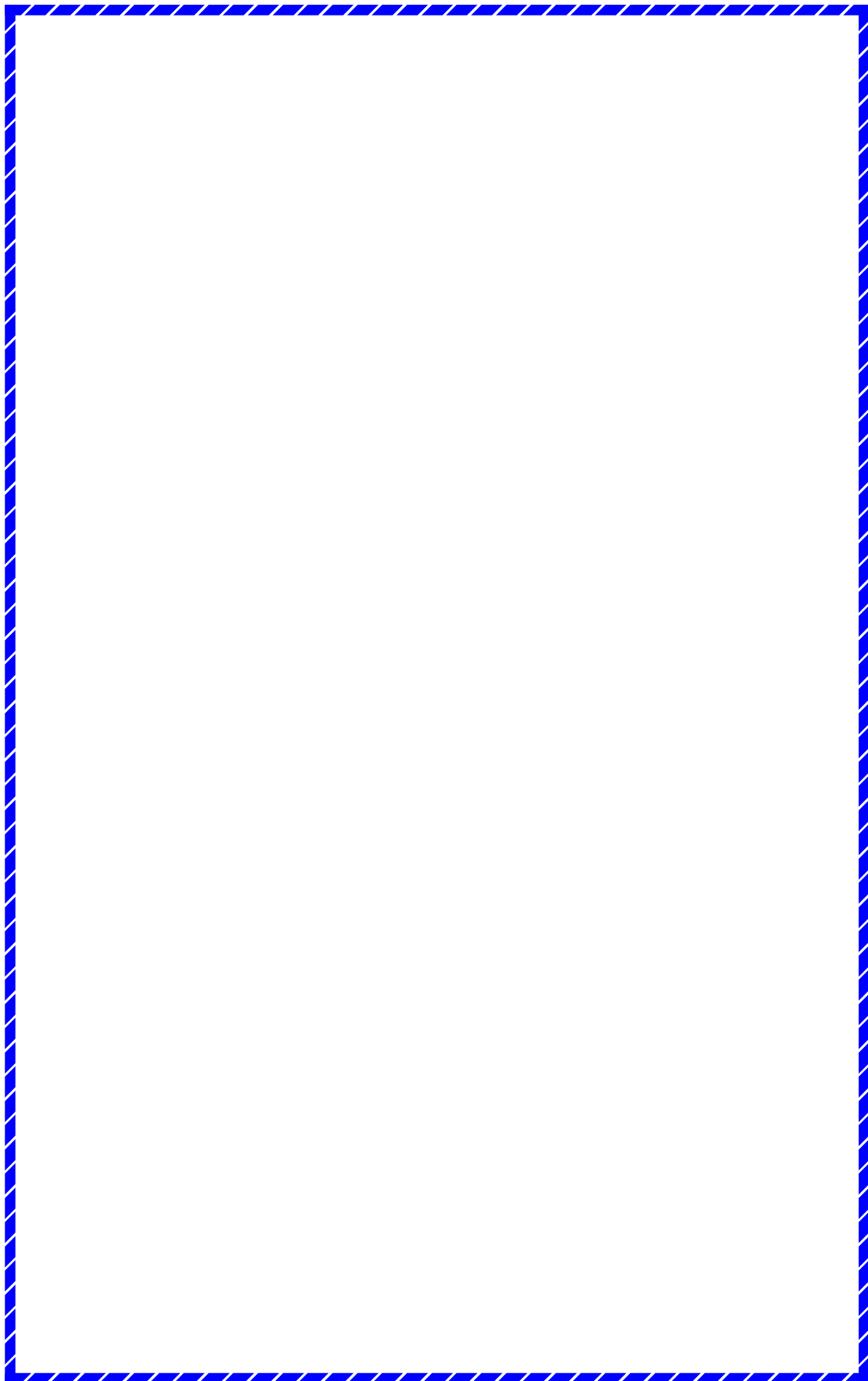
ادارۂ اشرفیہ

عزیزیہ کی تربیتی ترتیب

حضرت مولانا محمد اشرف سلیمانی پشاوری رحمۃ اللہ علیہ کی تعلیمات کی روشنی میں تربیتی ترتیب کو تین درجوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔

درجہ اوّل: تعلیم الاسلام (مفتی کفایت اللہ صاحبؒ) کا چار پانچ مرتبہ مطالعہ تاکہ مسائل ذہن نشین ہو جائیں، جہاں سمجھ نہ آئے خود فیصلہ کرنے کی بجائے علماء سے پوچھنا، استعداد اچھی ہو تو اپنے گھر یا مسجد میں چند ساتھیوں کے ساتھ مل کر اس کو سبقاً سبقاً پڑھنا۔

اُم الامراض، اکابر کا سلوک و احسان، فیضِ شیخ (حضرت مولانا زکریاؒ)

تسہیلِ قصد السبیل، تسہیل المواعظ، اصلاحی نصاب (دس رسالوں کا مجموعہ از حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ)

درجہ دوم: بہشتی زیور، ملفوظاتِ حکیم الامت (مولانا اشرف علی تھانویؒ)، اُسوۂ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم (حضرت ڈاکٹر عبدالحئی صاحبؒ)، آپ بیتی (حضرت مولانا زکریاؒ)، تذکرۃ الاولیاء (شیخ فریدالدین عطارؒ) اور کیمیائے سعادت (امام غزالیؒ)

درجہ سوم: سلوکِ سلیمانی (حضرت مولانا محمد اشرف سلیمانیؒ) تربیت السالک، التکشف، بوادر نوادر، انفاس عیسیٰ، بصائر حکیم الامت (حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ)، احیاء العلوم (امام غزالیؒ)

جھری ذِکر کی احتیاط اور طریقہ

سارے تصوف کے سلاسل کی طرح ہمارے سلسلہ میں بھی ذِکر کو قلب کی اصلاح میں بطور بنیادی ذریعہ شامل کیا گیا ہے۔سلسلہ کی ترتیب میں چشتیہ صابریہ جھری طریقہ ذِکر، ضرب کے ساتھ اختیار کیا گیا ہے۔ پہلے درجہ میں صرف سوبار **لاالہ الا اللّٰہ**، سوبار **الا اللّٰہ** اور سوبار **اللّٰہ** کا ذِکر کیا جاتا ہے۔دوسرے اور تیسرے درجہ میں **لا اله الا اللّٰہ** دوسوبار، **الا اللّٰہ** چارسوبار **اللّٰہُ اللّٰہ** چھ سوبار، **اللّٰہ** سوبار کی اجازت دی جاتی ہے۔

کتابوں کا مطالعہ تو ہرکوئی کرسکتا ہے جبکہ جہری ذِکر کی ترتیب کے لیے بیعت، مشورہ اور اس کے طریقہ کو بالمشافہ (آمنے سامنے) سیکھنا ضروری ہے،خود سے کرنے میں ذہنی وجسمانی نقصان کا خطرہ ہوسکتا ہے۔

ایک ناقابلِ انکار حقیقت

انسان خدا تعالیٰ کا انکار کرسکتا ہے، رسول کا انکار کرسکتا ہے آخرت کا انکار کرسکتا ہے لیکن ایک ایسی حقیقت جس کا انکار نہیں کرسکتا وہ موت ہے۔

ؔ موت آنی ہے آکر رہے گی جان جانی ہے جا کر رہے گی

كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ ط وَ اِنَّمَا تُوَفَّوْنَ اُجُوْرَكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ط فَمَنْ زُحْزِحَ عَنِ النَّارِ وَاُدْخِلَ الْجَنَّةَ فَقَدْ فَازَ

ترجمہ: ہرجی کو چکھنی ہے موت اور تم کو قیامت کے دن پورے بدلے ملیں گے۔ پھر جو کوئی دور کیا گیا دوزخ سے اور داخل کیا گیا جنت میں اُس کا کام تو بن گیا۔